اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

قندیلِ ادب

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

rana_razzaq@hotmail.com

07886304637 & 02089449385

معاون مدیر و ڈیزائنر:

عامر امیر

07903126126

majeedamer20@yahoo.com

نگران ویب سائٹ:

ایاز احمد راٹھور

www.bazmesherosukhan.co.uk

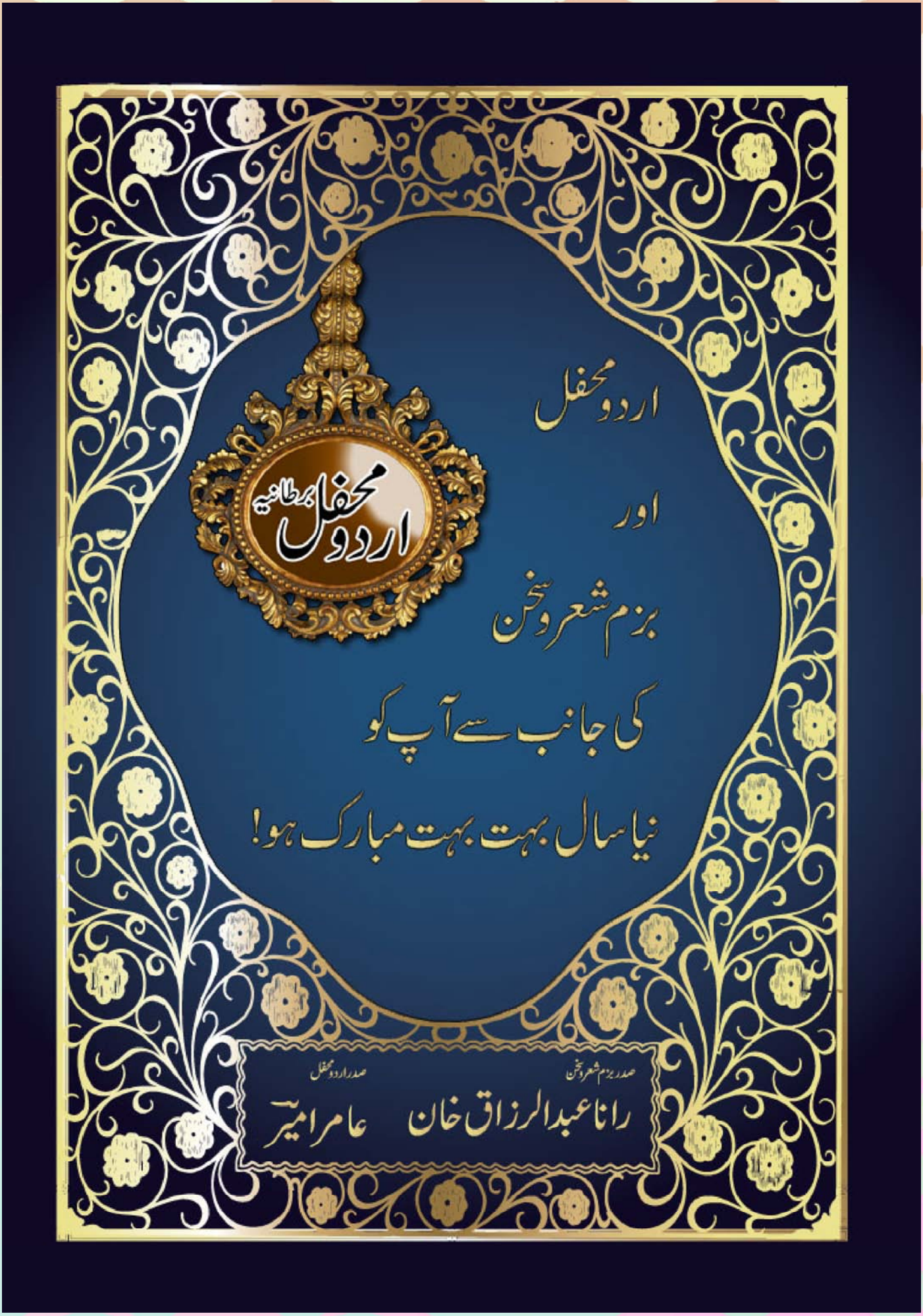
اردو محفل
اور
بزم شعر و سخن
کی جانب سے آپ کو
نیا سال بہت بہت مبارک ہو!
اردو محفل برطانیہ
صدر بزم شعر و سخن
رانا عبدالرزاق خان
صدر اردو محفل
عامر امیر

بزم شعر و سخن برطانیہ کے زیر انتظام

ایک خوبصورت ادبی شام

محترمہ ڈاکٹر نکہت افتخار صاحبہ

کے ساتھ

On Sunday
the
5th January 2014
At
16:30

29 Nightingale Lane
SW12 8SY

Contact: Rana Abdul Razzaq Khan

عامر امیر
کی ایک اور غزل
کوئی بازو، کوئی پہلو، کوئی شانے پہ لگا
تیر کوئی تو مرے یار نشانے پہ لگا
زخم دے ایسا کہ چاٹے بھی تو ناں پائے سکوں
کوئی اتنا بڑا الزام زمانے پہ لگا
دیکھ لے اپنے نشانوں کو مرے سینے پہ
چھوڑ جاتا ہے نشاں لفظ ٹھکانے پہ لگا
تجھ سے دوری کا زراسا ہی ابھی سوچا تھا
پھر زمانہ ہی مجھے خود کو منانے پہ لگا
میں تو مجبور ہوں عادت سے مجھے جیتنا ہے
فائدہ چاہیے تو اپنے ہرانے پہ لگا
دھن، دھرم، دوستی، دیوانگی، دنیا، دانا
کوئی مجھ کو کوئی اُس کو تھا سکھانے پہ لگا
تُو گیا تو لگا جیسے کہ محبت بھی نہیں
یہ مگر جھوٹ تھا ایسا ترے آنے پہ لگا

اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

قندِیل اَدب اِنٹرنیشنل لندن جنوری ۲۰۱۴ء

وضاحت

آپ کے خطوط

گزارش

نیاز جیراجپوری------------اُردو

مرزا غالب------------غزل

مومن خان مومن------------غزل

فیض احمد فیض------------غزل

ناصر کاظمی------------غزل

اطہر نفیس------------غزل

ابنِ انشاء------------غزل

آدم چغتائی------------غزل

مبارک صدیقی------------غزل

عبدالجلیل عبّاد------------غزل

فرحت عباس شاہ------------غزل

محمد اسحٰق------------غزل

عبدالکریم قدسی------------غزل

امیر مینائی------------غزل

فاروق نسیم برمنگھم------------غزل

ساجد رانا------------غزل

افتخار عارف------------غزل

جواد عالم------------غزل

اسحاق ساجد جرمنی------------غزل

رضا علی عابدی------------اُردو عجیب زبان ہے

رانا عبدالرزاق خاں------------اَدب اور اُس کی تعریف

فراز حمید خاں------------ظالم لوگ

اعزاز لطیف خاں------------انمول موتی

شیراز وحید خاں------------شرم آتی ہے

بلال افتخار------------شہرِ دل

سید حسن خان------------علاج

چودھری نسیم احمد------------ایک دُعا

ممتاز نازاں------------عبیداللہ علیم پر ایک نظر

عامر مجید------------صحت نامہ

ثقلین مبارک آسٹریلیا------------اہم معلومات

زیڈ اے شاہ------------سب کافر

اشکوں کے چراغ------------عاصی صحرائی

جوش ملیح آبادی------------مولوی

زکریا ورک کنیڈا------------صنفِ نازک

خواجہ عبدالمومن ناروے------------بڑھاپا

سات کا ہندسہ------------بلال افتخار

مشاعرہ------------عاصی صحرائی

ارشاد عرشی ملک------------مرسلہ بی اے رفیق

دیارِ غیر میں بیوی کا خط------------زکریا ورک

عاصی صحرائی------------مراوطن

اے آر راجپوت------------خلافت کی بے ثمر تحریکات

مُلاں بس------------ارشاد عرشی ملک

وضاحت۔قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی و ترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

آپ کے خطوط۔

محترم رانا صاحب سلام وآداب! آپ کی طرف سے اکثر ای میل ملتی رہتی ہیں۔ جن کے لئے میں شکر گزار ہوں۔ کچھ اپنی ادبی مصروفیات کی وجہ سے فوراً جواب نہیں دے پاتا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔قندیلِ ادب دیکھ کر بہت خوشی ہوئی آپ اور عامر امیر صاحب کی اس خوبصورت ادبی کاوش کو دیکھ کر دل خوش ہوا۔ابھی اس میں بہت سی اصلاح کی ضرورت ہے کہ اگر ایک صفحہ اسکرین پر ہو تو آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے۔نثر کا الگ اور غزل کا الگ حصہ ہونا چاہئے کہ قاری اپنی پسند سے وہ حصہ نکال لے پھر بھی نقص نکالنا اور مشورے دینا ہماری قوم کا خاصا ہے اور بہت آسان بھی۔جبکہ اصل کام کرنا مشکل۔جو آپ دونوں نے بہت خوبصورتی سے سرانجام دیا ہے۔ظاہر ہے اس میں جتنی آپ محنت کریں گے اتنا مزید نکھار پیدا ہوگا۔میں بھی دو غزلیں اور ایک افسانہ

ارسال خدمت کر رہا ہوں اگر اچھا لگے تو شاملِ اشاعت کر دیں۔ دعا ہے کہ آپ اسی طرح ادب کی خدمت کرتے رہیں اللہ اجر دے گا شکریہ دعا گو۔ امجد مرزا امجد

محترم رانا مبارک احمد صاحب بحرین عربین گلف سے لکھتے ہیں:۔

جناب برادرم رانا صاحب! آپ نے یہ قندیل ادب جاری کر کے دیارِ غیر میں اُردو دوستی کا حق ادا کر رہے ہیں۔ دنیا مادیت پرستی میں ڈوبنے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو بھی بھولتی جا رہی ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو صحت والی لمبی عمر دے۔ اور اردو ادب کی مزید توفیق دے۔ آمین۔ کچھ رقم بذریعہ ڈرافٹ ارسال خدمت ہے۔ قبول فرما کر مطلع کرنا۔ شکریہ۔

گزارش

قندیلِ ادب کے قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس ماہنامے کو ہر اعتبار سے معیاری، دیدہ زیب، منفرد، معتبر بنانے کی کوشش مسلسل شب و روز جاری ہے۔ برائے مہربانی اس سلسلہ میں اپنی گراں قدر آراء اور مشوروں سے نوازتے رہیں۔ عالمی امن و آشتی اور علم و ادب کی ترویج کے لئے مضامین بھیجتے رہیئے۔ ماہنامہ قندیل ادب کی اشاعت کے سلسلے میں تن تنہا وافتاں وخیزاں بے یار و مددگار متعدد مالی دُشواریوں کے باوجود خدمتِ اُردو ادب میں ایک سال سے مصروفِ عمل ہے۔ اور اب اسے پرنٹ میڈیا میں لانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اگر شائقین اس میں دلچسپی لیں تو یہ کام ذرا آسان ہو جائے گا۔ جس کے لئے پانچ صد خریداران کا رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے۔ برطانیہ کے لئے قندیل ادب کا ماہانہ چندہ ایک پونڈ اگر کوئی ایک سال کی فیس ایڈوانس جمع کروائے تو اس کی فیس دس برطانوی پونڈ ہونگے۔ اس رجسٹریشن کے لئے آپ کو مندجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال کرنی ہوگی

ABDULRAZZAQ KHAN BANK NAME HSBC ۔

A/C 04726979

SORT CODE 40-05-00

دیگر ممالک کا سالانہ چندہ ڈاک خرچ کے علاوہ ہوگا۔ ورنہ ای میل کر دیا جایا کرے گا اور ویب سائٹ پر بھی مہیا ہوگا۔ امید دوست احباب ادارہ قندیلِ ادب سے تعاون فرمائیں گے۔ آپ کی محبت، تعاون کا بندہ منتظر رہے گا۔ نیز اپنی آراء اور مضامین ضرور بھیجتے رہیئے۔ یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔ اس کی ترقی میں آپ کا تعاون درکار ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔ آمین۔

نیاز جیراجپوری

ہر زباں پیاری ہے لیکن اُردو پیاری پیار سے
ہے جہاں اُردو وہاں پر پیار پیار پیار ہے
مرکزہ نور و رنگ و بو ہے اُردو زباں
اُردو کے دامن میں سمٹا موسم بہار ہے
قومی یکجہتی اخوت پیار ہمدردی وفا
خوبیوں میں اردو کی شامل ہے سب خوبیاں
نفرت و بغض و تعاصب کو مٹا دیتی ہے یہ
ختم کر دیتی ہے اردو دل سے دل کی دوریاں
پُر کشش ان ایکتا میں ایکتا کا رنگ روپ
وہ بھی کیا دن تھے وطن میں اردو کا ماحول تھا
ہے نمایاں یہ صداقت صفحہ تاریخ پر
جنگ آزادی میں اردو کا کلیدی رول تھا
ہے کشش و تمکنت و جاذبیت اردو میں
نشہ و کیف خمار و لطف و حسن و تازگی
مُرتعش تارِ رگِ جاں اور معطر روح کو
رکھتی ہے مسحور ذہن و دل کو اُردو شاعری
اے نیازؔ اللہ تعالیٰ سے دعا آؤ کریں
اُردو کے دن لوٹ آئیں پھر ہو جلوہ اُردو
کا ہر طرف اُردو ہی اُردو اور اُردو والے ہوں
وقت کے ہر آئینے میں چمکے چہرہ اُردو کا

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی
میرے درد کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے ہوئی
بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کہے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے راہنما کرے کوئی
جب توقع ہی اُٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

مومن خاں مومنؔ

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی وعدہ یعنی نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو رُوبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی ایسی بات اگر ہوئی کہ تمہارے جی کو بُری لگی
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنؔ مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

فیض احمد فیضؔ

گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے
چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے
قفس اُداس ہے یارو صبا سے کچھ تو کہو
کہیں تو بہرِ خدا آج ذکرِ یار چلے
کبھی تو صبح ترے کنج لب سے ہو آغاز
کبھی تو شب سرِ کاکل سے مشکبار چلے
بڑا ہے درد کا رشتہ یہ دل غریب سہی
تمہارے نام پہ آئیں گے غمگسار چلے
جو ہم پہ گزری سو گزری مگر شبِ ہجراں
ہمارے اشک تری عاقبت سنوار چلے
حضورِ یار ہوئی دفترِ جنوں کی طلب
گرہ میں لے کے گریباں کا تار تار چلے
مقام، فیض راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

ناصر کاظمی

جب سے تو نے مجھے دیوانہ بنا رکھا ہے
سنگ ہر شخص نے ہاتھوں میں اُٹھا رکھا ہے
اس کے دل پر بھی کڑی عشق میں گزری ہوگی
نام جس نے بھی محبت کا سزا رکھا ہے
اب مری دید کی دنیا بھی تماشائی ہے
تو نے کیا مجھ کو محبت میں بنا رکھا ہے
غم نہیں گل جو کئے گھر کے ہواؤں نے چراغ
ہم نے دل کا بھی دیا ایک جلا رکھا ہے
پی جا ایّام کی تلخی کو بھی ہنس کے ناصرؔ
غم کے سہنے میں بھی قدرت نے مزا رکھا ہے

اطہر نفیس

وہ عشق جو ہم سے رُوٹھ گیا،اب اُس کا حال بتائیں کیا
کوئی مہر نہیں،کوئی قہر نہیں، پھر سچا شعر سنائیں کیا
اک ہجر جو ہم کو لاحق ہے،تا دیر اسے دہرائیں کیا
وہ زہر جو دل میں اُتار لیا،پھر اس کے ناز اُٹھائیں کیا
پھر آنکھیں لہو سے خالی ہیں یہ شمعیں بجھنے والی ہیں
ہم خود بھی کسی کے سوالی ہیں،اس بات پہ ہم شرمائیں کیا
اِک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو،پھر دامنِ دل کو بچائیں کیا
ہم نغمہ سرا کچھ غزلوں کے ہم صورت گر کچھ خوابوں کے
بے جذبہ شوق سنائیں کیا،کوئی خواب نہ ہو تو بتائیں کیا

اِبنِ انشاء

فرض کرو ہم اہلِ وفا ہوں فرض کرو دیوانے ہوں
فرض کرو یہ دونوں باتیں جھوٹی ہوں افسانے ہوں
فرض کرو یہ جی کی بپتا جی سے جوڑ سنائی ہو
فرض کرو ابھی اور ہو اتنی آدھی ہم نے چھپائی ہو

فرض کرو تمہیں خوش کرنے کے ڈھونڈے ہم نے بہانے ہوں
فرض کرو یہ نین تمہارے سچ مچ کے میخانے ہوں
فرض کرو یہ روگ ہو جھوٹا جھوٹی پیت ہماری ہو
فرض کرو اس پیت کے روگ میں سانس بھی پر بھاری ہو
فرض کرو یہ جوگ بجوگ کا ہم نے ڈھونگ رچایا ہو
فرض کرو بس یہی حقیقت باقی سب کچھ مایا ہو

آدم چغتائی

دل کے آئینہ میں دیکھا ہے نظارا ایسا
کاش ہو وصل کا امکان دوبارا ایسا
آپ کی جنبشِ لب پر ہے محبت کا مدار
عرش نے کب دیکھا تھا درد کا مارا ایسا
ہم تو تھے پیار و محبت کی فضاؤں کے مکیں
ہم نے اپنایا ہے کیوں درد تمہارا ایسا
دشت پیمائی سے بھی ہم کو ملا کب ہے قرار
جانے گردش میں ہے کیوں اپنا ستارا ایسا
جو ملا اُن کی رفاقت میں کبھی اے آدمؔ
کون دے گا ہمیں الفت میں سہارا ایسا

مبارک صدیقی

محبت کے لئے رسوا سرِ بازار ہو جائے
وہی عاشق ہے جو وقفِ رضائے یار ہو جائے
یوں ہی چرچا نہیں اک شخص کے شاداب ہونے کا
اُسے تو دشت بھی دیکھے گُل وگلزار ہو جائے
اُسے ملنے کبھی جاؤ تو عرضِ حال مشکل ہے
اگرچہ مل کے آؤ تو غزل تیار ہو جائے
اُنہیں شکوہ رہا ہم بات دل کی کہہ نہیں پائے
ہمیں دھڑکا رہا ایسا نہ ہو انکار ہو جائے
مبارک اور بڑھ جاتی ہیں اپنی عید کی خوشیاں
اگر اک چاند جیسے شخص کا دیدار ہو جائے

عبدالجلیل عباد ہمبرگ جرمنی

موسم جو ترے چہرے کا گلنار ہوا ہے
لگتا ہے کوئی پیار کا اظہار ہوا ہے
اُڑتا ہے جنوں نشے میں یہ چاند کو چھونے
اے وحشتِ دل کس کا یہ دیدار ہوا ہے
رقصاں ہیں شبِ دہر میں کرنوں کے یہ بدن کیوں
'یہ کون اندھیروں میں نمودار ہوا ہے
روتا کبھی ہنستا گلے لگ لگ کے یہ مجمع
ہر شخص ہی لگتا ہے کہ میخوار ہوا ہے
صحرائے محبت میں ہیں خوش قافلے والے
'یہ کون ہے جو چھاؤں کے اشجار ہوا ہے
پرچم ہیں محبت کے جہاں تک بھی نظر ہے
اک بادشاہ دل والا جو سردار ہوا ہے
کیا حُسن بیاں اُسکا کریں عاشقِ بسمل
قامت میں حسیں انکا وہ گلزار ہوا ہے
سب دشمن جاں بھاگ گئے ڈر کے میداں سے
وہ بن کے دعا رب کی جو تلوار ہوا ہے
اک دشت تھا جو جلتا ہی رہتا تھا جنوں میں
اب وہ بھی دیکھو سایہ دیوار ہوا ہے

امجد مرزا امجدؔ

جب بھی دیس کو واپس جاؤں آنکھ میں آنسو آئے
ذہن میں ماضی کو لوٹاؤں آنکھ میں آنسو آئے
اپنے شہر کے گونگے بہرے لوگوں کو میں اپنی
جب بھی دِل کی بات سناؤں آنکھ میں آنسو آئے
قدم قدم پر دھوکہ باز ہیں پیار جتاتے ہیں
اُن کے راز سمجھ نہ پاؤں آنکھ میں آنسو آئے
یہ مُسکانیں جھوٹی خوشیاں کب تک بانٹوں میں
کس کو دِل کے زخم دکھاؤں آنکھ میں آنسو آئے
کوئی نہ میرے آنسو پونچھے گلے نہ کوئی لگائے
کس سے اب میں آس لگاؤں آنکھ میں آنسو آئے
درد میں ڈوبا کیسے لکھوں دنیا کا افسانہ
امجدؔ جب بھی قلم اُٹھاؤں آنکھ میں آنسو آئے

فرحت عباس شاہ

لاکھ دُوری ہو مگر عہد نبھاتے رہنا
جب بھی بارش ہو میرا سوگ مناتے رہنا
تم گئے ہو تو سرِ شام یہ عادت ٹھہری
بس کنارے پہ کھڑے ہاتھ ہلاتے رہنا
جانے اس دل کو یہ آداب کہاں سے آئے
اس کی راہوں میں نگاہوں کو بچھاتے رہنا
اک مدت سے یہ معمول ہوا ہے اب تو
آپ ہی روٹھنا اور آپ ہی مناتے رہنا
تم کو معلوم ہے فرحت یہ پاگل پن ہے
دور جاتے ہوئے لوگوں کو بلاتے رہنا

محمد اسحٰق (من ہائم جرمنی)

پنکھ ہوں گر مرے اُڑ کے پہنچوں وہاں
جس نگر جاکے ٹھہرا مرا یار ہو
بلبلوں کی طرح نغمے گاتا ہوا
جا میں پہنچوں جہاں گل کی مہکار ہو
ہے مری جان اب تمنا یہی
میرے جیون میں ہر سو ترا پیار ہو
تیری خوشبو سے مہکی مری زندگی
تیرے ابرِ کرم کی ہی بھرمار ہو
تیرے در سے ہمیشہ خزانے ملے
یوں ہی لطف وکرم تیرا ہر بار ہو
دھوپ غم کی مجھے گر ستانے لگے
مجھ پہ سایہ فگن تیری دیوار ہو
اُس کے فضلوں کی بارش ہی ہوتی رہے
یوں ہی صبح و مسا تیرا دیدار ہو
فخر سے ماروں ٹھوکر زمانے کو میں
کوچہ تیرا اگر میرا گھر بار ہو
رقص کیوں نہ کریں پھر بہاریں وہاں
میرے آقا جہاں تیرا دربار ہو
تیرے پہلو میں اسحٰق بیٹھا رہے
حُسن تیرا ہو اور یہ پرستار ہو

عبدالکریم قدسی لاہور

طبیعت کو خوشامد کا ہنر اچھا نہیں لگتا
منافع بخش سودا ہے مگر اچھا نہیں لگتا
جو ہجرت کی تو اپنا دل پرانے گھر چھوڑ آئے
اب اچھے سے اچھا بھی ہو گھر اچھا نہیں لگتا
مجھے اپنی نگاہوں،زور ِ بازو پہ بھروسہ ہے
مگر پھر بھی اندھیروں کا سفر اچھا نہیں لگتا
پھلوں پھُولوں کی خوشبو سے ہاگرچہ ہو لدا لیکن
پرندوں سے جو ہو خالی شجر اچھا نہیں لگتا
ہمیں تو صبر کی تعلیم ہے، تلقین ہے،ورنہ
یقین جانو ہمیں خوف و خطر اچھا نہیں لگتا
یہ بہتر ہے کہ اپنے آشیانے میں رہوں بیٹھا
اُڑوں میں مانگ کر اوروں کے پر اچھا نہیں لگتا
فسادوں کے لئے مُلاں کو سر درکار ہیں لیکن
اسے وقتِ شہادت اپنا سر اچھا نہیں لگتا
مرا مُرشد ہی جس کا منزل و محور نہ ہو قدسی
مجھے ان خیالوں کا سفر اچھا نہیں لگتا

اسحاق ساجد جرمنی

لوگ کہتے ہیں محبت کا پیمبر مجھ کو
ما رڈالیں نہ کسی روز ستم گر مجھ کو
خود ہی پسپا ہوا اور دیتا ہے مجھ کو الزام
اب سزا دے گا یہ باغی مرا لشکر،مجھ کو
ہاتھ پہ اُس کے فقط پھول رکھا تھا میں نے
کر گیا زخمی اُسی ہاتھ کا پتھر مجھ کو
دیکھتا ہے وہ مجھے قہر بھری نظروں سے
جو محبت کا لگا تھا کبھی پیکر مجھ کو
بعد مدت جو ملا اس سے تو دل بھر آیا
وہ بھی رونے لگا سینے سے لگا کر مجھ کو
بے وفائی کی زمانے سے ہے نالاں ساجد
جس نے ماری تھی کبھی پیار میں ٹھوکر مجھ کو

جوادعالم

نہ کوئی غم ہے نہ خوشی اب تو
زہر لگتی ہے زندگی اب تو

مر گیا کون کچھ خبر ہی نہیں
راج کرتی ہے بے حسی اب تو
پھونک دیتا ہوں خود چراغوں کو
آندھیوں سے ہے دوستی اب تو
کیسی آوارگی کہاں کا فراغ
روٹھی روٹھی ہے ہر گلی اب تو
زندگی سے جو اک تعلق ہے
اُس میں کر لیجئے کمی اب تو

جوادعالم

رات بھر چاند سے ستاروں سے
درد کہتے رہے اشاروں سے
اُن پرندوں کو کب ملی منزل
جو بچھڑ جائیں اپنی ڈاروں سے
گنگنانے لگے ہیں پھر جھرنے
برف پگھلی ہے کوہساروں سے
دل خزاں پوش ہے جب اس کو
چین ملتا نہیں بہاروں سے
کارواں تُو گیا اب تک
گرد اُٹھتی ہے رہگزاروں سے
بھر گیا دل تو پھرہوا کچھ یوں
درد بہنے لگا کناروں س

امیرمینائی

ظاہر میں ہم فریفتہ حُسنِ بُتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں؟
یارانِ رفتہ سے کبھی جا ہی ملیں گے ہم
آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کے ہیں
ٹھکرا کے میرے سر کو کہتے ہیں ناز سے
لو ایسے مفت سجدے میرے آستاں کے ہیں
شکوہ شبِ وصال میں تا چند؟ چُپ بھی ہو
اے دل نکالے تو نے یہ جھگڑے کہاں کے ہیں؟
دنیا میں سفر، ہمیں عقبہ میں بھی سفر،
ہم لوگ رہنے والے الٰہی کہاں کے ہیں؟
خنجر کو چُوس چُوس کے کہتے ہیں میرے زخم
ظالم مزے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں؟
وہ، اور وعدہ وصل کا، قاصد نہیں، نہیں،
سچ سچ بتا، یہ لفظ انہی کی زباں کے ہیں؟
بلبل کو شوق گل تھا،نہ قمری کو عشق سرو
سارے یہ گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں؟
اُن ابروؤں سے حضرتِ دل، روز سامنا
کہیے تو ایسے آپ بہادر کہاں کے ہیں؟
اُس طفل تُند خُو سے جو ملتا ہوں میں امیرؔ
کہتے ہیں لوگ ڈھنگ بُرے اس جواں کے ہیں

غزل۔۔۔۔۔محمدفاروق نسیم برمنگھم

جو عشق میں مجنوں بن جائیں ہر دور میں کچھ تو ملتے ہیں
بے عشق جو زخمی ہو جائے، ناسور وہ دل میں پکتے ہیں
یہ اہلِ خرد کو راس کہاں،یہ اہلِ جنوں کی باتیں ہیں
دولت کی نظر کی آس اُنہیں،دُکھ درد ملے تو ہنستے ہیں
اخلاق کی اعلیٰ قدریں ہی، کردار کو روشن کرتی ہیں
کردار کے حامل انساں تو اخلاقِ عمل سے جھکتے ہیں
ارباب سیاست تو اکثر منصب کی طلب میں سرگرداں
مطلب کی سیاست کے عادی مقصد سے گریزاں رہتے ہیں
جمہوری نظاموں کے جوہر ایوان میں کرتے نقد و نظر
تنقید کے تیرو نشتر سے دامن کو سنوارا کرتے ہیں
حق بات پہ اکثر چلتے ہوئے وہ جان پہ کھیلا کرتے ہیں
یہ دارورسن کے متوالے کب ظلم و ستم سے ڈرتے ہیں
جو عدل پہ قائم رہتے ہیں،جھکتے ہیں کہاں وہ نسیمؔ
مجرم کو کٹہرے میں لا کر پھر چین سے دم وہ بھرتے ہیں

خواجہ عبدالمومن ناروے

عمر جب ہو جائے لگ بھگ ساٹھ سال
پھر قویٰ میں آنے لگتا ہے زوال
حافظہ بھی دینے لگتا ہے جواب
بیٹھنا اُٹھنا بھی ہوتا ہے محال
گھیر لیتی ہیں کئی بیماریاں
اور ان کا پھیلتا جاتا ہے جال
نہ عبادت کے لئے طاقت ہے وہ
جیسے ہوتا تھا جوانی میں کمال
اپنے رب سے ہی ہمیشہ دل لگا
اپنے مولیٰ کو بتا سب دل کا حال
خاتمہ بالخیر جس کا ہو گیا
بن گیا مومن وہ اک روشن مثال

ساجد رانا

ہم محبت میں کوئی بھی مجبوری گوارا نہیں کرتے
ہم وہ ساغر ہیں جو کہیں بھی کنارہ ا نہیں کرتے
اگر دنیا کی بے رحمی اور وقت کی لرزش نہیں ہوتی
ہم بھی تو کبھی خاک سے خود کو ستارہ نہیں کرتے
جھوٹ ہے کہ مرجاتا ہے کوئی کسی کے سوا یونہی
یوں ہوتا اگر تو ہم ان کے سوا وقت گزارا ا نہیں کرتے
ہم خود بھی بن بیٹھے تھے ان کے مقتول خوشی سے
ورنہ یوں بے دردی سے وہ آج خون ہمارا ا نہیں کرتے
جو چیز ہو ٹوٹی ہوئی اُسے یوں سنوارا ا نہیں کرتے
جانے دو اسے ساجد اگر اگر اس کی خوشی ہے اس میں
ساحل پر کھڑے ہو کر موجوں کو پکارا ا نہیں کرتے

اُردو عجیب زبان ہے۔ رضا علی عابدی

رضا علی عابدی اپنے کالم ''دوسرا رُخ'' میں لکھتے ہیں۔ اُردو عجیب زبان ہے۔ قدم قدم پر حیران کرتی ہے۔ میں ہمالیہ پر اُڑتا ہوا لداخ میں اُترا اور جیپ میں بیٹھ کر چینی تبت کی طرف بڑھا۔ اتنا آگے تک گیا کہ بھارتی فوج نے مزید آگے جانے سے روک دیا۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں وہی تبتی ناک نقشے والے چرواہے ملے۔ اب اُلجھن یہ تھی کہ ان سے کس زبان میں بات کی جائے۔ میں نے یوں ہی آزمانے کے لئے پوچھا آپ کیسے ہیں؟ نہایت سلیس اُردو میں جواب ملا جی آپ کی دعا سے یہاں سب خیریت ہے۔ ایسے خوشگوار لمحات میری راہ میں کئی بار مجھ سے بغل گیر ہوئے ہیں اور ہر بار مجھے استاد داغ دہلوی کی یاد دلاتے رہے ہیں جن میں غالباً انیسویں صدی کے آخر میں یہ مضمون شاید غائب سے اُترا۔

؎ اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لیکن حیرت اس وقت ہوئی جب غیب سے خیال میں مضامین بھیجنے والے نے دوسرا مصرعہ درست کیا۔ سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ دھوم ہے اور خوب دھوم ہے ۔ اب چاہے کوئی اسے ہندی کہے یا ہندوستانی۔ ہماری ہندی زبان کی ایک ساتھی براڈ کاسٹر نے ایک روز بتایا کہ انہوں نے ایک ڈرامہ لکھا ہے میں نے پوچھا ہندی میں لکھا ہے بولیں نہیں وہی عام بول چال میں۔۔ ہماری طرف اسی بول چال کو اُردو کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں ہم سب کے اُستاد فرمان فتح پوری یہ کہتے کہتے جنت کو سدھارے کہ یہ واحد زبان ہے جس ساتھ کسی ملک یا علاقے کا نام نہیں لگا ہوا۔ اس زبان کو برتنے والے خوب جانتے ہیں۔ کہ جو حسن اور ملاحت عام بول چال والی زبان میں ہے وہ بڑے بڑے جیّد علماء کی بولی اور تحریر میں کہاں جس زبان میں عربی کا شکوہ، فارسی کی نفاست اور ہندی کا تیکھا پن ہو اور جس کے سارے کے سارے افعال verbs اپنی سرزمین کی مٹی میں گوندھے گئے ہوں کہ جن کے بغیر حرکت ممکن نہیں وہ کسی خاص علاقے کی بولی نہیں ہوسکتی وہ قدم قدم پر حیران نہ کرے تو اور زیادہ حیرت ہو۔ (روزنامہ جنگ ۶ ستمبر ۲۰۱۳ء)

اُردو کے ضرب المثل اشعار۔

اچھی صورت بھی کیا بُری شے ہے
جس نے ڈالی بُری نظر ڈالی

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں

ادب اور اُس کی تعریف۔۔۔۔ رانا عبدالرزاق خاں

اصولی طور پر ہر زبان کا ادب اپنی ادبی اقدار اور اسالیب کی پاسداری کے اعتبار سے ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ جہاں پر زبان ایک ہوگی وہاں پر اسالیب اظہار خیال ہم رنگ اور ایک ہی نوعیت کا ہوتا ہے۔ ابتداً لفظ ادب کی تعریف ان گنت معنوں میں کی جاتی رہی ہے۔ اپنے عربی اصل کے پیش نظر ہر خُلق کی خوبی کو ادب کہا گیا ہے۔ چنانچہ آداب مہمان نوازی اور اکرام ضیف کو بھی ادب کہتے ہیں۔ تعلیم و تدریس کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی ادیب معلم ہے اور ادب سے مراد تعلیم و تدریس ہے۔ اس لئے تمام علوم خواہ وہ معاشرتی ہوں یا سائنسی ان کا پڑھنا، سیکھنا ''ادب'' کے دائرے میں آتا ہے۔ مگر ایک عرصہ گزرنے پر اصحاب علم و ادب نے یہ احساس کیا کہ

اگر ادب کا دائرہ کار الفاظ اور اُن کے معانی تک محدود رہے تو لفظ کے معانی ہمیشہ ایک نہیں ہوتے۔ لفظ کبھی تو اپنے حقیقی معنوں کو بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اور کبھی مجازی معنوں کو۔ یعنی معانی مستعار کو جیسا کہ لفظ ''چاند'' ہے۔ کہ حقیقی معنوں میں نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے۔ مگر مجازی معنوں میں محبوب یا دلپسند ہستی ہے۔ ادب میں حسن، لفظ اور معانی کے ارتباط اور تناسب سے پیدا ہوتا ہے یہ ربط اور تناسب ایک شعوری لذّت بھی پیدا کرتا ہے اور اپنے آہنگ کے ساتھ تختۂ گل کی طرح سے رنگ و روپ بھی بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم ادبیہ کا موضوع محاسن کلام کی تلاش اور تعین ہے۔ علم معنی اور علم بیان علم صنائع اور بدائع اس محور کے گرد گھومتے ہیں۔ اور علاماتِ حسنِ بیان کی نشاندہی میں مدد اور معاون ہوتے ہیں۔ آخر الامر یہ ہے کہ لفظ و معنی میں حسن تخلیق کرنا ہی وہ قدر ہے جو کہ ''ادب'' کی تعریف کو متعین کرتی ہے۔ اور اُس کو دیگر انسانی علوم اور دانش وری کے بیان سے ممتاز کرتی ہے۔ ادب میں صرف لفظ ہی حسن پیدا نہیں کرتا بلکہ جن معانی پر دلالت کر رہا ہوتا ہے وہ بھی ادبی کاری میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ اور اسی اختلاط اور ارتباط سے حسن کی تخلیق ہوتی ہے۔ ان اصولی اقدار ادب کی تفصیل می ذیل طور پر اور بھی بہت سی اقدار ادب ہیں۔ جن کا قیام ادبِ عالیہ کی تخلیق کے لئے از بس ضروری قرار دیا گیا ہے۔ تاہم چند ایک اقدار ادب ایسی ہیں جن کا بیان زیرِ قلم موضوع سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ اوّل۔ یہ قبول کیا گیا ہے کہ ادبِ عالیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ آفاقی مضامین اور مواد کا حامل ہو۔ یعنی وہ ہر انسان کی فطرتی اور قلبی جذبات اور تمناؤں کی عکاسی کرے۔ دوم۔ یہ کہ مشاہدات صدق پر مبنی ہوں صدق کا عنصر ادبی تخلیق میں جزوی اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن کا بیان ہو یا قلبی کیفیات کا اظہار اس میں ادبی حسن و جمال پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ مشاہدات اور جذبات حقیقت پر مبنی ہوں اگر ایسا نہیں تو وہ کلام ایک دیو مالائی افسانہ ہوتا ہے اور قلب و نظر کو مسخر نہیں کرتا۔ اس بنیاد پر تیسری ادبی قدر ہے جس کو تاثیر کا نام دیا گیا ہے۔ ادب میں تاثیر لفظ و معانی کے حسن و جمال سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ ادب عالیہ کی پہچان اس کی تاثیر ہی پر قائم ہے تو بالکل درست ہوگا۔ کیونکہ ادب کا غائت اور مقصود ابلاغ کامل ہی ہے۔ اور ابلاغ موثر کلام ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جس کا حاصل کرنا تمام ادبی تخلیقات کا مطلوب اور منشا ہوتا ہے۔

ادب کے علائم و رموز۔ لفظ کے دو معنی کئے جاسکتے ہیں ایک وضعی یا حقیقی اور ایک مجازی یعنی غیر حقیقی۔ لفظ کا یہ مفہوم دراصل علامتی مفہوم ہے۔ گویا کہ مجاز لفظ کے معنی میں تجاوز کا نام ہے یہ بھی کہا گیا تھا کہ شعری ادب کی دنیا میں لفظ کی دلالتوں اور معانی کو وسعت دینے کے لئے شعر میں اکثر و بیشتر لفظ کو مجازی یا معانی مستعار کے اظہار کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ اس عمل کو ادبی انتقاد میں شعر کے علائم و رموز کہتے ہیں رموز رمز کی جمع جو کہ پوشیدہ اشارے یا کنائے سے تعبیر ہے اور علائم علامت کی جمع ہے۔ جس میں ادب میں معانی مستعار مراد ہوتے ہیں۔ لفظ کی اس دورنگی کو غالب نے بہت ہی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

اَبیات۔ ابیات دراصل مثنوی کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس طرزِ کلام میں ہر شعر اپنے بحر اور وزن کے اتحاد کے باوجود اپنا جداگانہ قافیہ رکھتا ہے۔ اس لئے ان کو ابیات کا نام دیا گیا ہے۔ مثنوی کے موضوعات تاریخی واقعات اور روایتی حکایات کے ساتھ اخلاقی اور صوفیانہ درس و تدریس بھی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مثنوی رزمیہ بھی ہوتی ہے عشق و محبت اور صوفیانہ داستانوں کے بیان کے لئے بھی اختیار کی جاتی ہے۔ فردوسی کی مثنوی رزمیہ ہے۔ جسے زبانِ پہلوی کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ دوسری مشہورِ عالم مثنوی مولانا روم ہے۔ فارسی شاعری میں ابوسعید ابوالخیر کے بعد رومیؔ اور سنائیؔ ہی ایسے شاعر ہیں جو مجاز سے صرف نظر کرتے ہوئے منازلِ سلوک اور محبتِ الٰہی کو بیان کرتے ہیں۔ مثنوی واقعات کے بیان اور درس و تدریس کی صنفِ شعر ہے۔ اس لئے اسلوبِ بیان کے اعتبار سے اس کی فنی اقدار میں ترتیب بیان اور وارداتِ ذہنی اور قلبی کو سلاست اور وضاحت سے بیان کرنا بنیادی اقدارِ فن ہیں اور یہی دو صفات ہیں جن کی بنا پر فردوسی اور رومی کی مثنویوں کو شاہکار اور لاجواب سمجھا جاتا ہے۔۔۔

قصیدہ

فارسی سرمایہ شعر میں ابیات کی صنف اپنی وسعت بیان اور فنی اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ فارسی شعر میں مثنوی کے طرز میں لاتعداد کلام ہے۔ تاریخ، وعظ و نصیحت، عشقیہ حکایات اور اخلاقیات سب اس صنف کے موضوعات ہیں اس لئے فارسی شاعری کی فنی اقدار اور کلاسیکی اسلوبِ زبان کی تعیین بہت حد تک اسی صنفِ شعر کی مرہونِ منت ہے۔ فردوسیؔ، رومیؔ سعدیؔ اور جامیؔ اور اس منصب کے بہت سے شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کر کے اساتذہ فنِ شاعری کہلاتے ہیں دوسرے الفاظ میں مثنوی کی طرزِ نگارش فارسی اسلوبِ بیان کا ایک مستحکم ستون ہے۔ فارسی ادب میں ''ابیات'' کے بعد قصیدے کا مقام ہے۔

ابیات و قصیدہ غزل را۔۔۔ فردوسیؔ، وانوریؔ وسعدیؔ

دراصل فارسی شعر میں ابیات و قصیدہ ہی دو ایسی اصناف ہیں جن سے دیگر اصناف نے جنم لیا ہے۔ کیونکہ ان دو اصنافِ شعر میں غزل اور مرثیہ، رباعی اور قطعہ اور دیگر اصناف رزم و بزم کے مضامین بھی شامل ہوتے ہیں۔ قصیدہ عربی شاعری کی اہم ترین صنف ہے۔ فارسی زبان میں اسی توسط سے آیا ہے۔ حقیقت میں فارسی اور اُردو شاعری نے

عربی قصیدہ ہی میں جنم لیا ہے۔اوران کی تمام اصنافِ شعراسی عربی صنفِ شعر کی رہینِ منت ہیں۔

اپنی ہیئت کے اعتبار سے اس کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اور باقی اشعار میں مصرعہ ثانیہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔ادبِ عربی کے دستور کے مطابق اس کا اول رکن ''تشبیب'' کہلاتا ہے۔ جس میں تذکرہ شباب اور محبوب کی صفات بیان ہوتی ہیں۔دوسرا رکن ''گریز'' کہلاتا ہے۔یعنی اول ذکر کے بعد چند اشعار میں روئے سخن ممدوح کی طرف کیا جاتا ہے۔اور تیسرے رکن میں ''مدح'' کو بیان کیا جاتا ہے۔اور چوتھے مرحلے میں دعا ہوتی ہے۔ کہ ممدوح کی عمر دراز ہو۔اور فتح وکامرانی نصیب ہو اور مطلوب بھی بیان ہوتا ہے۔فنی اعتبار سے قصیدے کا یہی ڈھانچہ ہے جو قدیم سے اب تک قائم ہے۔فارسی شاعری عربی شاعری کی پروردہ ہے اور اردو شاعری نے ان دونوں کی آغوش میں پرورش پائی ہے۔اسی لئے وراثتی طور پر فارسی اور اردو شاعری کا اسلوبِ ادب عربی نقش ونگار رکھتا ہے۔تاہم فارسی زبان تک پہنچنے تک قصیدے کی وہ ہیئت نہیں رہی جو عربی کلاسیکی ادب میں تھی اس تبدیلی کی اہم وجہ تو یہ ہے کہ فارسی زبان میں قصیدہ تو سلاطین کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔اور بادشاہوں کی مدح سرائی ان کا اولین موضوع بن گیا اس لئے عربی دستور کے مطابق تشبیب اور گریز کی ضرورت نہ رہی۔البتہ مدح اور حسنِ طلب کے عناصر قائم رہے۔یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر فارسی قصیدے کی ہیئت میں تبدیلی ہوئی۔

غزل

اُردو اور فارسی شعراء ادب کا باوا آدم عربی قصیدہ ہے۔اور اس امر پر تمام محققین کا اتفاق ہے کہ غزل کی جداگانہ صنف کی تخلیق اُن عشقیہ اشعار کی مرہون منت ہے جو عربی قصیدہ کی ابتدایا تمہید میں مرتب کئے جاتے ہیں جن کو تشبیب یا تسیب کہتے ہیں ایرانی شعراء نے قصیدے کی تشبیب کو ایک مستقل صنفِ شعر کے طور پر اختیار کرلیا اور اس کو موضوع کی پاسداری میں غزل کا نام دیا اور اس صنف میں عظیم الشان ادبی شاہکار پیدا کئے۔ معنوی اعتبار سے غزل کا موضوع محبوب مجازی کے حسن و جمال اور اس سے وارداتِ عشق و محبت کا بیان ہے۔(ماخوذ از ادب المسیح)

ظالم لوگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رانا مبارک احمد بحرین

نامور شاعر منیر نیازی ایک رکشے میں کہیں جارہے تھے۔وہ اپنے خیالات میں گم تھے کہ اچانک رکشہ رُک گیا۔پوچھا کیا معاملہ ہے؟ ڈرائیور نے بتایا کہ جنازہ گزر رہا ہے۔منیر نیازی جو جملہ سازی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔،بولے ''ظالمو! تم بھی کیسے لوگ ہو زندہ انسان کو تو کچل کر گزر جاتے ہو اور جنازے کے احترام میں رکشہ روک لیتے ہو۔''

کرائے کے لئے خالی۔۔۔فراز حمید خاں

۔ایک عدد مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔جس کے کمرے مالک مکان کے دل کی طرح وسیع اور کشادہ ہیں۔ایڈوانس کرائے کے ساتھ خلوص اور وفا بھی پیش کرنا ہوگا۔ اچھے کرایہ دار کو مالک مکان بھی بنایا جاسکتا ہے۔لیکن اس کا صنفِ نازک ہونا ضروری ہے۔پڑوسیوں کے گھر میں جھانکنے کے لئے خصوصی سوراخ موجود ہیں۔جن کی بدولت پیار ومحبت کا کوئی بل نہیں آئے گا۔

انمول موتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اعزاز لطیف خاں

قدرت حالات کے مطابق ایسے آدمی پیدا کر دیتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔(قائداعظم)

قومیں غور وفکر سے محروم ہوکر تباہ وبرباد ہوجاتی ہیں(علامہ اقبال)

ماں باپ کی خدمت کرنا اس طرح مفید ہے جس طرح کھیت کے لئے پانی!(حکیم لقمان) علم کی طلب سے شرم مناسب نہیں کیونکہ جہالت زیادہ باعثِ شرم ہے (افلاطون) جو کچھ بھی تمہیں چاہیئے۔مسکراہٹ کی قوت سے حاصل کرو نہ کہ تلوار کی طاقت سے(شیکسپیئر)

شرم آتی ہے!۔۔۔۔۔شیراز وحید خاں

گھر والے شادی کی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔مگر ہم نہیں گئے کیونکہ ہمیں لوگوں سے ملتے ہوئے شرم آتی ہے۔ارادہ کیا کہ پڑوس کے لڑکوں کے ساتھ کھیلیں،نہیں کھیلے ۔کیونکہ ہمیں ان کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہوئے شرم آتی ہے۔پھر خیال آیا کہ جھولا جھولیں اگر رسی نہ ملی۔سوچا کہ ہمسایوں سے مانگ لیں مگر ان سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ارادہ کیا کہ بازار سے لے آئیں مگر بازار جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔رسی ملی تو جھولا باندھا اور جھولنے لگے۔اچانک رسی ٹوٹی ہمارے ساتھ کیا ہوا۔؟ یہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔گھر والے آیا انہوں نے ہماری حالت دیکھی تو جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا.....بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔

علاج۔۔۔۔۔۔۔۔سید حسن خاں

۔ایک دفعہ ایک بادشاہ نے ایک کمہار کے گدھوں کو قطار میں چلتے دیکھا تو اس سے پوچھا کہ یہ کس طرح سیدھا چلتے ہیں۔کمہار نے کہا کہ جو لائن توڑتا ہے اسے میں سزا دیتا ہوں۔بادشاہ نے کہا کہ میرے ملک میں امن وامان ٹھیک کردو گے۔کمہار نے حامی بھرلی۔اور بادشاہ کے ساتھ چل پڑا۔دارالحکومت پہنچنے پر عدالت لگالی۔چور کا مقدمہ آیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی۔جلاد نے وزیراعظم کی طرف اشارا کیا کہ چور کو ان کی سرپرستی حاصل ہے۔کمہار نے پھر حکم دیا کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے۔وزیراعظم نے سمجھا کہ شاید جج کو پیغام سمجھ نہ آیا ہو وہ آگے بڑھا اور جج کے کان میں کہا کہ یہ اپنا آدمی ہے کمہار نے بطور جج فیصلہ کیا کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور وزیراعظم کی زبان۔بادشاہ نے فیصلہ پر عمل کرایا آگ وخون کی لپیٹ میں آئے ہوئے ملک میں ایک ہی فیصلے سے امن ہوگیا۔اگر گنہگار کی سفارش کرنے والی زبان کاٹ دی جائے اور اپنوں کی سر

پرستی چھوڑ دی جائے تو گولیاں بند ہو جائیں گی اور قتل و غارت بھی رک جائے گا امن بھی قائم ہو جائے گا۔ طالبانی اور اسلام آباد کا عدل نہیں بلکہ عہد فاروقی والا اسلامی عدل امن لاسکتا ہے۔

ایک دعا۔۔۔۔۔۔۔فضل عمر ڈوگر

میرے مالک میں ایک سادہ سا آدمی ہوں آج کل کی ساری پیچید گیوں سے نا آشنا، لوگوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے بے بہرہ، اپنی پیشہ ورانہ تعلیم کے علاوہ میں کسی اور علم پر دسترس نہیں رکھتا۔ مجھے دین کا بھی کوئی گہرا علم نہیں کوشش کر کے قرآن پڑھ سکتا ہوں۔ کچھ مشہور قرآنی آیات ترجمہ بھی جانتا ہوں مگر اکثر قعآنی آیات سے نابلد ہوں۔ مجھے ضروری دینی مسائل کا علم بھی نہیں لیکن میں ایک کھرے انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے کا خواہش مند ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ خدا اور اس کا رسول مجھ سے خوش رہیں۔ مگر اس میں بے شمار رکاوٹیں ہیں۔ سردیوں میں گرم لحاف سے صبح صبح اُٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے مسجد جانا مجھے بہت مشکل نظر آتا ہے۔ سخت گرمیوں میں سارا دن بھوکا پیاسا رہ کر روزہ رکھنا سہل پسند طبیعت کے لئے دقت کا باعث بنتا ہے۔ میرے خالق میرا بہت جی چاہتا ہے۔ کہ حلال روزی کماؤں اور کھاؤں لیکن میرے دفتر میں موجود لوگ اسے میری کم عقلی خیال کرتے ہیں۔ میں اپنے چھوٹے سے یونٹ میں بھی حسابات کو آگے پیچھے کر کے ماہانہ معقول آمدنی غلط طریقے سے حاصل کر سکتا ہوں۔ مگر صرف تیری خوشی کی خاطر ایسا نہیں کرتا۔ جبکہ گھر والوں کے تقاضے دوستوں کی خواہشات، بچوں کی ضروریات، اور شادی بیاہ پر یا غمی خوشی پر اُٹھنے والے اخراجات مجھے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اے میرے رب! میں اس راستہ پر چلنا چاہتا ہوں جو تجھ تک آسانی سے پہنچتا ہو۔ میری راہ میں بہت سی مشکلات ہیں اس سے پیشتر کہ میں اپنے فرائض سے غفلت برتنا شروع کر دوں، ناجائز کمائی پر مائل ہو جاؤں تو مجھے آ کر بچالے اور میرا سہارا بن جا!! (ڈاکٹر سلیمان عبداللہ کی کتاب ''قطرہ قطرہ دریا'' سے اقتباس)

عبیداللہ علیم کی زندگی پر ایک نظر

ممتاز ناز اں

پاکستانی ادب کی تاریخ میں کچھ صفحات پر اس قدر سیاہی پھیلی ہوئی ہے کہ وہاں نور کی ایک آدھ کرن بھی نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انہیں صفحات پر کچھ نام اتنے درخشاں رہے ہیں کہ یہ سیاہی بھی انہیں چھپانے میں ناکام رہی ہے۔ اور وہ نام اس سیاہی کے دامن سے بھی نمایاں طور پر جھلک اٹھے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نام عبید اللہ علیم کا بھی ہے۔ آج جب عبیداللہ علیم کے بارے میں لکھنے بیٹھی ہوں تو سوچتی ہوں کہ ہندستان میں پیدا ہونے کے سبب انہیں ہندستانی لکھوں، یا پاکستان میں متحرک رہنے کی وجہ سے پاکستانی۔ بہر حال عبیداللہ علیم کی پیدائش ۱۲ جون ۱۹۳۸ء کو ہندستان کے شہر بھوپال میں ہوئی تھی۔ انکے والد سیالکوٹ کے ایک بٹ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شائد یہی وجہ رہی ہوگی جو انہیں اس سرزمین تک کھینچ لے گئی ہوگی، جو بعد میں ہندستان سے الگ ہو کر پاکستان کے طور پر وجود میں آئی۔ حقیقت جو بھی رہی ہو، لیکن انہوں نے اپنا پوسٹ گریجویشن کراچی یونیورسٹی سے پورا کیا اور بطور پروڈیوسر ریڈیو کراچی سے وابستہ ہو گئے۔ بعد میں جب ٹیلیوژن وجود میں آیا تو وہ کراچی ٹیلی وژن میں منتقل ہو گئے۔ ایک انسان کی اپنی زندگی سے جو کچھ توقعات ہو سکتی ہیں، عبیداللہ علیم کو ان کی زندگی نے وہ سب کچھ دیا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں نگار یاسمین سے ان کی شادی بھی ہو گئی۔ ان کی زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ لیکن وقت نے جو کروٹ بدلی تو ایک ایسا زلزلہ آیا کہ اپنے پیچھے تباہیوں کی ایک داستان چھوڑ گیا۔

قانونی طور پر وزیرِ اعظم کے عہدے پر فائز ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری، اور بعد میں ان کے سیاسی قتل کے بعد کٹّر اسلامی مطلق العنان فوجی حاکم جنرل ضیا الحق نے پاکستان کی باغ ڈور سنبھال لی۔ اور اس کے ساتھ ہی پاکستان میں افراط و تفریط اور خوف و ہراس کا ایک طویل دور شروع ہو گیا۔ اس بہیمانہ تعصب اور ناانصافی کے دور میں پاکستانی عوام اور بطورِ خاص تخلیقی فنکاروں، مصنفین و شعرا پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ۱۹۷۸ء کا یہی وہ دور تھا، جب عبیداللہ علیم کو احمدی ہونے کے جرم میں اپنی نوکری سے استعفا دینے کے لیئے مجبور کر دیا گیا۔ اُن کی پہلی کتاب 'چاند چہرہ ستارہ آنکھیں' اس سے چار سال پہلے ہی منظرِ عام پر آ کر مقبولیت کی بلندیوں کو چھو چکا تھا، اور اسے پاکستان کا بلند ترین انعام 'آدم جی پرائز' سے نوازا گیا تھا۔ لیکن اس حادثے کے بعد ان کی ذہانت اور فنی صلاحیتوں کو جم کر نظر انداز کیا گیا۔ وہ دور اسلامی فنڈامنٹلزم، مذہبی تعصب اور بے جا پابندیوں کا دور تھا۔ اس ماحول سے متاثر پاکستانی سماج، خوشامد پرست تنقید نگاروں، میڈیا اور سوشلائیٹس کی طرف سے انہیں ٹھنڈا رسپانس ملا۔ جس نے انہیں مایوس کر دیا۔

۱۹۸۲ء میں انہوں نے احمدیہ رہنما مرزا ناصر احمد کی یاد میں ایک مضمون لکھا، جس کا عنوان تھا 'خورشید مثال شخص'۔ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام 'ویراں سرائے کا دیا' ۱۹۸۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں، ۱۹۹۰ء میں عبیداللہ علیم نے دوسری شادی کی، اور اسی دوران انہوں نے کئی بار انگلینڈ کا دورہ کیا۔ وہ ۱۹۹۱ء میں، ۱۹۹۳ء میں،

۱۹۹۴ میں، ۱۹۹۶ میں اور پھر ۱۹۹۷ میں انگلینڈ گئے۔ ۱۹۹۷ کے مارچ کے مہینے میں انہیں زبردست دل کا دورہ پڑا، جس کے سبب انہیں ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ وہاں علاج سے حالت میں ذرا سدھار ہوا تو وہ اپنے گھر، مکان نمبر ۴، ناظم آباد، کراچی آ گئے۔ ۱۹۹۸ میں دوسرا دل کا دورہ ان کے لئے جاں لیوا ثابت ہوا، اور اس طرح ۱۸ مئی ۱۹۹۸ میں ادب کی دنیا کا یہ ستارا ڈوب گیا۔ عبیداللہ علیم کی مختلف غزلوں کو پاکستان کے اعلیٰ ترین گلوکاروں کی آواز کی رہبری حاصل ہوئی ہے۔ کچھ جھلکیاں پیش ہیں۔ غلام علی نے اپنی آواز کی ضیا سے جن غزلوں کو روشن کیا ان میں ۔۔

عزیز اتنا ہی رکھو کہ جی سنبھل جائے
اب اس قدر بھی نہ چاہو کہ دم نکل جائے

اور۔۔

کچھ دن تو بسو مری آنکھوں میں
پھر خواب اگر ہو جاؤ تو کیا

جس غزل کو فریدہ خانم نے اپنی آواز سے سجایا وہ ہے

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی
جو میں نے جیون ہار دیا

تو ملکۂ ترنم نور جہاں نے جس غزل کو اپنی ریشمی آواز کی ساحری سے ناقابلِ فراموش بنا دیا وہ ہے

تیرے پیار میں رسوا ہو کر جائیں کہاں دیوانے لوگ
جانے کیا کیا پوچھ رہے ہیں یہ جانے پہچانے لوگ

اس کے علاوہ بھی عبیداللہ علیم کے انگنت اشعار ہیں، جو عوام کے دلوں پر نقش ہیں، اور اس طرح وہ آج بھی اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں زندہ ہیں، اور جب تک ان کے اشعار فضاؤں میں گونجتے رہینگے، انشااللہ زندہ رہینگے۔

پندرہویں صدی ہجری کے منافق پر ایک نظر

۱۔منافق سے جب بھی دین کی بات کہو تو کہتا ہے کہ ''اصل چیز تو انسانیت ہے۔'' ۲۔جب نماز کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' میرا لباس ٹھیک نہیں۔'' ۳۔جب روزے کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' کیا روزے میں ہی اسلام ہے۔'' ۴۔جب زکوٰۃ کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' بنک میں خود ہی کٹ گئی۔'' ۵۔جب جہاد کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' اصل جہاد تو نفس سے ہوتا ہے۔'' ۶۔جب شرعی پردے کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' اصل پردہ تو نظر کا ہوتا ہے۔'' ۷۔جب شرعی داڑھی کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' داڑھی سنت ہے فرض نہیں۔'' ۸۔جب علماء کی بات کرو تو کہتا ہے کہ'' ساری خرابیاں تو مولویوں کی پیدا کردہ ہیں۔'' ۹۔جب شریعت پر چلنے کی تاکید کرو تو کہتا ہے کہ'' مولوی والی باتیں مت کرو ۔تم اپنے آپ کو ٹھیک کرو'' یہ میرا اور میرے رب کا معاملہ ہے۔''

صحت نامہ۔۔۔۔۔عامر مجید

بڑھے ہوئے پیٹ سے امراضِ قلب اور کینسر کا خطرہ۔

امریکہ کی ایک طبی تحقیق کے مطابق بڑھے ہوئے پیٹ سے امراضِ قلب اور کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ بڑھے ہوئے پیٹ میں ایسی جمع چربی صحت کے لئے انتہائی مضر ہوتی ہے۔ عام موٹاپے کے مقابلے میں بڑھے ہوئے پیٹ کے حامل افراد کو امراض قلب اور کینسر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق پیٹ یا معدے کے گرد چربی سے دل کے ٹشوز اور دیگر اہم شریانیں متاثر ہوتی ہیں۔ جس سے دل کے دورے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ (ماہنامہ الناصر جرمنی)

مشروبات کم استعمال کریں۔

طبی ماہرین نے دعویٰ کیا ہے کہ جو افراد میٹھے مشروبات زیادہ استعمال کرتے ہیں ان میں بلند فشارِ خون کی بیماری زیادہ پائی جاتی ہے۔ جبکہ مشروبات دل کے دوروں اور شریانوں کی تنگی کا باعث بنتے ہیں۔ مشروبات کا کم استعمال ہو تو بلڈ پریشر نارمل رکھا جا سکتا ہے۔ اور دل کے دوروں کا امکان ۸ فیصد کم اور شریانوں کی تنگی کا امکان ۵ فیصد کم کیا جا سکتا ہے۔ (روزنامہ دنیا ۱۵ مئی ۲۰۱۳)

پیدل چلنے سے دماغ سکڑنے کے عمل میں کمی۔

ایک نئی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ ضعیف العمری میں پیدل چلنا سماجی مصروفیات کی نسبت دماغ کے سکڑنے کے سدّ باب کے لئے زیادہ مفید ہے۔ محققین کے مطابق ۷۰ سال یا اس سے زائد عمر کے ایسے افراد جو باقاعدگی سے ورزش اور پیدل چلنے کی عادت بھی رکھتے ہیں۔ ان میں دماغ سکڑنے کے عارضے کے امکانات ان لوگوں کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں۔ جو سماجی امور میں مصروف رہتے ہیں۔ تحقیق کے دوران ۱۶۳۸ ایسے افراد جن کی تاریخ پیدائش ۱۹۳۶ تھی ان پر تین برس تک غور کیا گیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ جو افراد ورزش یا پیدل چلنے کے عادی تھے ان کے دماغ کے سکڑنے کا عمل سست روی کا شکار تھا۔ ((روزنامہ دنیا ۱۵ مئی ۲۰۱۳)

ورزش سے گردوں کی پتھری کے خطرات کم۔

ایک نئی تحقیق میں کہا گیا ہے کہ روزانہ ورزش سے گردوں کی پتھری بننے کے اثرات کم کئے جاتے ہیں۔ یونیورسٹی واشنگٹن کے محققین کا کہنا ہے کہ ۵۰ سال کی عمر کے افراد میں پتھری کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ تاہم اگر روزانہ چند گھنٹوں کی چہل قدمی ایک دو گھنٹے جاگنگ یا کوئی ہلکی پھلکی ورزش کی جائے تو پتھری کے امکانات ۳۳ فیصد کم ہو جاتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق گوشت کا ستعمال کم اور پانی زیادہ پینے سے گردوں کی پتھری کے امکانات کم کئے جا سکتے ہیں۔ (روزنامہ دنیا ۱۵ مئی ۲۰۱۳)

کام کی ٹینشن سے دل کی بیماریاں۔

طبی ماہرین نے دعویٰ کیا ہے کہ کام کے دوران

ٹینشن لینے سے دل کی بیماریاں لاحق ہوسکتی ہیں۔انسان کو روزانہ ڈیوٹی معتدل انداز سے ادا کرنی چاہیئے۔تحقیق کے دوران ۹۰ ہزار کارکنوں کے انٹرویو لئے گئے۔جس یہ پتہ چلا کہ مشکل حالات میں کام کرنے والے کارکنان کو دل کی امراض کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔کیونکہ مسلسل دباؤ میں رہنے کی وجہ سے ان کے خون میں کولیسٹرول کی مقدار بڑھ جاتی ہے جو دل کی بیماریوں کا باعث بن جاتی ہے۔(روزنامہ دنیا ۲۴ مئی ۲۰۱۳)

کافی سے جگر کی بیماری پر کنٹرول۔ماہرین نے دعویٰ کیا ہے کہ کافی کے استعمال سے جگر کی بیماری پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ماہرین کے مطابق کافی پینے سے جگر کی بیماری ''پرائمری سکلی روسنگ چولانگئس'' سے بچاؤ ممکن ہے۔اس بیماری سے انسان جگر کے کینسر میں بھی مبتلا ہوسکتا ہے۔تحقیق سے یہ بات سامنے آئی کہ کافی پینے والے افراد میں پی ایس سی جیسی مہلک بیماری کے امکانات دوسرے افراد کی نسبت بہت کم ہوتے ہیں۔اس سے قبل محققین ثابت کر چکے ہیں کہ معتدل مقدار میں پانی پینے سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا ہونے کی شرح ۲۵ فیصد کم کی جاسکتی ہے۔اس سے چھاتی کے سرطان کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔(ماہنامہ الناصر جرمنی)

باکس کمرہ (افسانہ) امجد مرزا امجد

اماں ریشماں نے سسکی بھری اور کمرے میں نظر گھمائی' یہ گھر کا سب سے چھوٹا کمرہ جسے باکس روم کہا جاتا تھا جو بمشکل چھ فٹ لمبائی میں اور ساڑھے چار فٹ چوڑائی میں تھا۔ ایک سنگل بیڈ پھنسا ہوا تھا ساتھ چھوٹی سی تپائی رکھی تھی' بقایا اتنی جگہ بھی نہ تھی جہاں ریشماں اپنی جائے نماز بچھا کر سجدہ بھی دے سکے۔اماں ریشماں کا جسم سفر کی تھکاوٹ سے چُور چُور ہو رہا تھا' مگر نیند کوسوں دور تھی' دل و دماغ میں ایک طوفان بپا تھا' اس پنجرہ نما کمرے میں لیٹی' وہ اپنے آپ کو گھر کی ایک فالتو اور ناکارہ چیز سمجھ رہی تھی جو پندرہ سال قبل وہ اس کمرے میں پھینک دیا کرتی تھی۔کتنی جلدی وقت گذر جاتا ہے' لگتا ہے ابھی کل کی بات تھی۔۔۔گل زمان نے یہ مکان ریشماں اور بچوں کے آنے سے قبل ہی خرید لیا تھا' نیچے دو کمرے کچن' اوپر بڑا سا دو کھڑکیوں والا بیڈ روم' ساتھ باتھ روم پھر درمیانے سائز کا کمرہ اور پھر باکس روم' ساجد کیلئے باپ نے یہی چھوٹا کمرہ ڈیکوریٹ کیا کہ وہ ابھی چھوٹا ہے' اس کمرے میں خوش رہے گا۔شازیہ ابھی چھوٹی تھی' وہ اماں کے ساتھ سوتی تھی۔درمیان کا کمرہ مہمانوں کیلئے رکھا' ساجد اس وقت چھ سال ہی کا تھا ۔مگر اس نے طوفان مچا دیا' اور اس نے باکس روم میں سونے سے انکار کر دیا۔''یہ بھی کوئی کمرہ ہے جس میں چھوٹی سی بیڈ بھی پھنس کر آتی ہے' نہ الماری نہ میز نہ کرسی میں اپنے کپڑے کہاں رکھوں گا''۔وہ منہ بسورتا ہوا چیخنے لگا۔''اچھا اچھا بیٹے ضد نہ کرو تم دونوں بہن بھائی مڈل روم میں سو جایا کرو۔آج سے تم دونوں کا وہی کمرہ ہوگا''۔گل زمان نے پیار سے دونوں بچوں کو سینے سے لگایا۔اور پھر اتنی مدّت وہ باکس روم خالی پڑا رہا اور گھر میں جو بھی کپڑے' برتن کھلونے یا کوئی اور چیز فالتو بیکار سمجھی جاتی باکس روم میں رکھ دی جاتی بلکہ پھینک دی جاتی۔وقت کی گھڑی تیز ہوگئی اور بچے زندگی کی سیڑھیاں پھلانگتے جوانی کی سرحدوں میں داخل ہوگئے اور گل زمان' ریشماں بڑھاپے کے کٹھن اور صبر آزما۔۔۔صحرا میں۔۔۔شازیہ کی شادی کر دی گئی اور وہ اپنے سسرال مانچسٹر چلی گئی' ساجد کا رشتہ ریشماں نے اپنی بھانجی سے طے کیا' اپنوں میں بیٹے کو بیاہنے کا اوّلین مقصد یہی ہوتا ہے کہ کل کلاں بڑھاپے میں بیماری کمزوری اور محتاجی میں بھانجی بھتیجی بہو بن کر آئے گی تو خون کے رشتے کا بندھن بھی ہوگا۔ساس بہو کا رشتہ تو ہے ہی نا پائیدار اور نازک سا' مگر دوسری طرف آنے والی بہن یا بھائی کی بیٹی ہوگی اور بیٹی جیسی ہوگی بزرگ سمجھ کر لاج رکھے گی۔۔۔کچھ بھرم رکھے گی۔مگر یہ سب کتابی باتیں تھیں' صرف الفاظ تھے جو فقط بولنے میں بھلے لگتے ہیں جوں ہی انہیں عمل اور وقت کی تپش لگتی ہے جل کر جھرمر ہو جاتے ہیں۔گھر میں دو عورتیں رہ جاتی ہیں ساس اور بہو' جو ایک میان میں دو تلواریں ثابت ہوتی ہیں۔ایک جنگل کے دو شیروں کی طرح ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے' جب تک کہ ایک فرد کی حکومت نہ قائم ہو جائے۔ساجدہ نے آتے ہی ساجد کو اپنے نام کی طرح ایسا ضم کر لیا کہ بیٹے کا کہیں وجود ہی نہ رہا۔صرف بہو ہی گھر میں رہ گئی' ریشماں تو اسکی شکایت کا بھی حق نہ رکھتی تھی۔گل زمان سے جب بات ہوتی تو اس کا ایک ہی جواب ہوتا۔''تمہاری بھانجی ہے تم اپنی پسند سے اسے چن کر لائی تھی تم جانو اور وہ' مجھے کچھ بتانے کا کوئی مقصد نہیں''۔بات بھی درست تھی ساجد کی شادی کے وقت برادری میں بہت کھینچا تانی ہوئی تھی' ساجد کے لئے دونوں چچاؤں کے گھر اور پھپھو کے ہاں طویل قطار منتظر تھی لڑکیوں کی مگر پاکستان جانے سے قبل ہی ریشماں نے خاوند کو متنبہ کر دیا تھا۔''میں اپنی اکلوتی بہن کی اکلوتی بیٹی کا رشتہ ساجد کیلئے لوں گی جس نے بیٹی پیدا ہوتے ہی اس کا نام میرے ساجد کے نام سے منسوب کر کے ساجدہ رکھا تھا اور میری جھولی میں ڈال دی تھی''۔ گل زمان بہت دُور اندیش اور ٹھنڈے مزاج کا شخص تھا اسے علم تھا کہ اپنی بھتیجی لاؤں گا یا بیوی کی بھانجی' اس نے آکر ساجد کی بیوی اور ہماری بہو بننا ہے۔اس کا اچھا یا برا ہونا وقت پر ہی پتہ چلے گا۔رشتے کی کوئی اہمیت نہیں رہتی شادی کے بعد' لہٰذا اسی کو اپنی بھانجی لانے دو۔!دبے الفاظ میں ماں جب بیٹے کو شکایت کرتی تو وہ مسکرا کر ماں کو دیکھتا۔''اماں سارا دن آپ دونوں ساتھ ہوتی ہیں۔ شام کو میں تھکا ہوا آتا ہوں تو یہ شکائتیں سننا مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔اور پھر وہ بھانجی ہے آپ کی' آپ اسے سرزنش کر سکتی ہیں۔'' بیٹے آج کل پاکستان میں رہنے والی بہو کوئی بات برداشت نہیں کرتی یہ تو لندن میں رہتی ہے۔میری بات کہاں سنے گی' وہ دل میں سوچتی اور ٹھنڈے سانس لے کر سینے پر پتھر رکھ لیتی۔گل زمان کی گروسری کی دکان تھی اور بیٹا بھی ساتھ کام کرتا تھا' کام کی زیادتی بڑھاپے کی کمزوری نے اثر دِکھانا شروع کیا اور گل زمان ایک دن دکان میں گر پڑا اور پھر چار دن ہسپتال رہ کر رخصت ہوگیا۔ریشماں کا من ٹوٹ گیا' جس بل بوتے پر عورت اتراتی ہے فخر کر سکتی ہے' وہ

خاوند ہی تو ہوتا ہے۔ خاوند کیا مرا' ریشماں سوت سے بھی کمزور ہوگئی۔۔۔ شازیہ بچوں کے ساتھ مانچسٹر سے آ گئی تھی مگر وہ کتنے دن ماں کے پاس رہتی۔ ماں کی افسردگی اور پژمردگی دیکھ کر اس نے چند بار اصرار کیا کہ وہ مانچسٹر آ جائے' مگر ماں کے انا کو کیسے گوارا ہوتا کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر بیٹی کے گھر رہے۔ ''نہ بیٹا' میں اس گھر کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں ۔۔۔ یہ میرا گھر ہے اب یہیں سے میری چارپائی نے نکلنا ہے۔' شازیہ کے چلے جانے کے بعد زیادہ ہی اکیلی ہوگئی۔ سارا دن منہ لپیٹے بستر میں پڑی رہتی۔ ساجد رات گئے دکان بند کر کے گھر آتا مشکل سے کھانا کھاتا اور بے سُدھ ہو کر بستر پر گر پڑتا۔ باپ کے مرنے کے بعد وہ بھی اکیلا ہو گیا تھا اور دکان میں کسی دوسرے آدمی کا بندوبست ابھی نہ ہوا تھا' ہفتہ ہفتہ گذر جاتا ریشماں کو بیٹے کی صورت نظر نہ آتی۔ ''خالہ آپ نہیں سمجھتیں' وہ کس قدر پریشان ہیں۔ صبح چار بجے اُٹھتے ہیں اور جا کر چھ بجے دکان کھولتے ہیں۔ کوئی مدد بھی نہیں' سارا دن مصروفیت میں گذار کر رات گیارہ بجے گھر آتے ہیں اور بمشکل چند نوالے کھا کر بستر پر گر پڑتے ہیں' بچے باپ کی شکل کو ترس گئے ہیں اور آپ اپنی شکایات لے بیٹھتی ہیں کہ بیٹا ملتا نہیں؟''۔۔ ساجدہ کے طنزیہ انداز سے ریشماں کرچی کرچی ہو جاتی' چند دن ایسے سرد ماحول سے اکتا کر ریشماں مانچسٹر کے لئے تیار ہوگئی۔ سوچا چند دن بیٹی کے پاس رہ آؤں وہی میرے درد کو سمجھتی ہے' کچھ دل سنبھلے گا تو واپس آ جاؤنگی۔ پورا ہفتہ ساجدہ اور ساجد کی منتیں کرنے کے بعد ساجد ایک دن صبح اپنے ساتھ ماں کو لے گیا' پہلے دکان کھولی' سامان سیٹ کیا۔ فون کر کے ایک دوست کو بلایا' اسے دکان پر کھڑا کر کے ماں کو وکٹوریہ کوچ اسٹیشن پر چھوڑ آیا اور شازیہ کو فون کیا کہ فلاں وقت ماں کو بس اسٹیشن سے لے جانا۔۔۔ مانچسٹر بیٹی کے گھر رہ کر بھی ریشماں کو دلی سکون نہ ملا کہ ہفتہ بعد ہی اسے ساتھ والے کمرے سے شازیہ اور اس کے شوہر کی لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔ شازیہ کا اصرار تھا کہ ابّو کے مرنے کے بعد میری دکھی ماں میرے گھر آئی ہے لہٰذا جب تک وہ رہے گی میں گھر میں سلائی کا کام نہیں کرونگی مگر اس کا لالچی اور کم ظرف خاوند مصّر تھا کہ ماں مہینہ بیٹھی رہے گی تو تم کام نہیں کرو گی۔ جب کہ گھر میں بیٹھ کر سلائی کے کام میں گھر کے اخراجات پورے ہو جاتے تھے' ورنہ اس کی تنخواہ میں تو مکان کی قسط اور بل بھی پورے نہیں ہوتے اور پھر اس پر بہن بھائیوں کی ذمہ داری بھی ہے' پاکستان بھی ماہوار رقم بھیجنی ہوتی ہے' ریشماں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا داماد اپنی تنخواہ کا بڑا حصّہ اپنے والدین کو بھیج دیتا ہے خورد و نوش کے اخراجات کی پوری رقم اسکی بیٹی پر ہے' اور اب دس دنوں میں ہی اس کی وجہ سے گھر میں بے سکونی کی فضا اُٹھ آئی۔ دوسرے روز ہی اس نے اپنا بیگ سنبھالا اور داماد کو کہا مجھے بس پر بٹھا آئے۔۔۔ ریشماں نے اپنے ہاتھوں سے آنکھوں کو خشک کیا جن میں بے بسی کے آنسو چھلک پڑے تھے۔۔ رات کافی گذر چکی تھی' نیچے تالے میں چابی گھمانے کی آواز آئی وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ منتظر رہی آج وہ اپنے بیٹے سے پوچھے گی کہ یہ سب کچھ اس کے ایماء پر ہوا ہے یا اسے علم نہیں کہ اس کی ماں کو اس پنجرہ نما کمرے میں بند کر دیا گیا ہے' جہاں وہ خود چھ سال کی عمر میں جانا پسند نہ کرتا تھا۔ اتنی چھوٹی عمر میں اتنی محدود ضرورتوں کے باوجود جب اسے تنگ کمرہ منظور نہ ہوا تو بوڑھی ماں کی چارپائی کیوں پھنسا دی آج۔۔۔!! ساجد جب کھانے سے فارغ ہو کر آیا تو ماں نے اسے آواز دی ''اے امّاں آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں'' اس نے دروازہ کھولا جو آدھا کھل کر چارپائی سے ٹکرا کر رک گیا۔۔۔ ''اندر آ جاؤ ساجد۔ اِدھر میرے پاس بیٹھ' میں نے تم سے اہم بات پوچھنی ہے۔۔۔!'' ماں کے لہجے میں اعتماد اور حق دعویٰ تھا۔

''امّاں ایمان سے بہت سخت تھکا ہوا ہوں' سخت نیند آ رہی ہے' آپ بھی سو جائیں''۔

''ٹھہر جا بد بخت آج ماں کیلئے چند منٹ بھی نہیں تیرے پاس۔۔۔ اندر آ۔۔۔'' وہ حیران سا ہوا' ماں نے کبھی اس لہجے میں بات نہ کی تھی۔ وہ خاموشی سے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ ''میں نے تم سے ایک بات پوچھنی ہے' تم چھ سال کے تھے۔ جب تمہارے باپ نے یہ کمرہ تمہارے لئے تیار کیا اور تم نے دن کا کھانا نہ کھایا اور سارا دن منہ بسورتے رہے کہ یہ کمرہ تمہارے رہنے کے قابل نہیں۔ اور آج اپنی بوڑھی ماں کی چارپائی اس باکس روم میں پھنسا دی جہاں وہ نماز بھی ادا نہیں کر سکتی۔ اور میری غیر موجودگی میں مجھ سے پوچھے بغیر میرے اس کمرے سے جس میں میں اور تمہارا باپ تمہاری شادی کے بعد سے رہ رہے تھے' میرا سامان سیڑھیوں میں رکھ دیا اور میرا بستر اس کمرے میں بچھا دیا' یہ بھی نہ سوچا کہ ماں کی بھی کچھ ضرورتیں ہونگی! ساجد چند لمحے خاموش رہا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ ''امّاں ۔۔۔ مجھے پتہ ہے کہ آپ ابّو کے جانے کے بعد بہت جذباتی ہوگئی ہیں' بھلا اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہوئی' دونوں بچے بڑے ہوگئے ہیں' ان کے کپڑے' کھلونے کتابیں اتنی ہیں کہ انہیں بڑا کمرہ چاہیے تھا' یہ تو ابّو کی غلطی تھی کہ اتنا چھوٹا مکان خریدا' انہیں چاہیے تھا کہ چار بیڈ رومز کا مکان خریدتے تا کہ آج آپ کو شکایت نہ ہوتی اور آپ بھی بڑے کمرے میں رہتیں۔ اور پھر امّاں آپ نے رات کو سونا ہی ہوتا ہے' سارا دن تو آپ نیچے ہی ہوتی ہیں اور سونے کیلئے کمرہ نہیں' ایک بیڈ کی ضرورت ہوتی ہے۔'' وہ جانے کیلئے مڑا تو ماں نے غصّے سے کہا۔ ''تو اپنی بیوی کو کہو اس کمرے کی کیا ضرورت تھی' میری چارپائی رات کیلئے باہر شیڈ میں بچھا دیتی۔۔۔'' بیٹا بیزاری سے سر ہلاتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مگر ریشماں نے یہ کہا ہی تھا کہ ایک چھناکا ہوا ایک پھنکارتا ہوا ناگ اسکی رگوں میں سنسنانے لگا' دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور وہ بے دم ہو کر بستر پر لیٹ گئی۔ انسان کا تہہ خانہ سات تہہ خانوں سے بھی گہرا ہے مگر ضمیر کا ڈول اسکی تہہ سے اس کی تلخ یادیں بھر بھر کر اس کے سامنے ڈھیر لگا دیتا ہے۔۔۔ امّاں ریشماں سسک پڑی۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ''اے اللہ تو ہی انصاف کرنے والا ہے۔ کتنا بڑا منصف ہے تو ۔۔۔!'' اور آنسو چھلک کر اس کے رخساروں کی جھریوں میں راہ بناتے سر کتے ہوئے بستر کی چادر میں گم ہوگئے۔ ماضی اس کے سامنے فلم کی سکرین کی طرح نمودار ہو کر کچھ یاد دلا رہا تھا۔ ریشماں کی شادی کے تیسرے سال اس کی ساس فوت ہوگئی۔ گاؤں کا

پرانا سا ایک بڑے سے کمرے کا مکان تھا۔ کمرے کے آگے درختوں کی ٹیڑھی میڑھی ٹہنیوں کی چھت کا برآمدہ اور اس کے کونے میں ایک چولہا۔ اس کے مرنے کے بعد ساری حکومت ریشماں کی ہی تھی' ساجد دو سال کا تھا کہ شازیہ پیدا ہوئی۔ یہ بیٹی نیا مستقبل لے کر آئی ابھی شازیہ سال کی تھی کہ گل زمان باپ کی آدھے سے زیادہ زمین بیچ کر انگلینڈ جانے میں کامیاب ہو گیا اور بوڑھا تایا اور دو ننھے گھر پر ہی رہ گئے۔ سردیوں کی آمد تھی بوڑھا تایا رات گئے تک جوڑوں کے درد میں ہائے ہائے کرتا رہتا اور کھانستا رہتا۔ شازیہ بھی کچھ بیمار تھی ساری رات بوڑھے اور بچے کی بیماری کی وجہ سے ریشماں کی آنکھ نہ لگتی اور سارا دن گھر کے کام میں گذر جاتا اس کا جسم پھوڑا بنا دکھنے لگا۔ چند دن رات اذیت کے بعد اس کی برداشت جواب دے گئی دن کو تایا صحن میں چارپائی بچھا کر دھوپ سینکا کرتا اور ساری رات کھانستا رہتا!! ریشماں نے کھانے سے فارغ ہو کر چارپائی باہر برآمدے میں بچھائی ایک چارپائی سیدھی کھڑی کر کے اس پر کمبل ڈال دیا اور دونوں بچوں کو لے کر پڑ گئی تایا سسر گھبرا کر باہر نکلا۔ ''ریشماں بیٹی اندر جا کر لیٹو چھوٹی پہلے ہی بیمار ہے سردی لگ جائے گی''۔۔ ''نہیں تایا جی آپ دروازہ بند کر کے سو جائیں' آج چار راتوں سے میں سو نہ سکی۔ اُدھر آپ کی ہائے ہائے اور کھوں کھوں سونے نہیں دیتی اور ادھر یہ لڑکی نہ خود سوتی ہے اور نہ مجھے آرام کرنے دیتی ہے۔'' ریشماں نے انگلیاں نچا کر کہا اور منہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی۔ بوڑھا سسر سمجھ گیا اور اپنی لحاف اور سرہانہ لے کر آ گیا۔ ''اُٹھو بیٹا چھوٹے بچے ہیں' باہر سردی ہے زیادہ بیمار ہو جائیں گے۔ آئندہ سے میں یہاں برآمدے میں سو جایا کروں گا۔ جا بچہ اندر جا کر آرام سے سو جا۔ ایک رات کی تو بات ہے میں یہاں سو جاؤں گا'' اور ریشماں دیر تک آرام سے سوتی رہی۔ سورج آسمان کی پیشانی پر چمکنے لگا۔ اسے بڑی سکون کی نیند آئی شازیہ بھی بڑے آرام سے سوتی رہی۔ وہ اٹھی اور باہر نکلی تو تایا بھی خلاف معمول سویا ہوا تھا۔ اس نے آواز دی جواب نہ پا کر لحاف اُٹھایا۔۔۔ تایا پکی نیند سو چکا تھا۔ اس نے چیخ منہ میں دبا لی اور بچوں کو وہیں چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر گئی۔ ماں نے آ کر دیکھا تو دکھ سے ہاتھ ملتی ہوئی بولی ''ظالم عورت بیمار بوڑھے تایا کو باہر سردی میں سلا دیا اور وہ رات کو ٹھنڈک برداشت نہ کر سکا۔۔۔ اری تیرا باپ رات کو کھانستا یا تیری ماں درد میں ہائے ہائے کرتی تو اسے بھی باہر برآمدے میں سلا دیتی۔ اب اسے اٹھا کر اندر لے چل' کسی کو پتہ چل گیا تو قیامت آ جائے گی''۔ بوڑھے کی چارپائی کمرے میں اس کی جگہ رکھ کر دونوں ماں بیٹی باہر نکلیں۔ اور رواج کے مطابق رونا اور بین شروع کر دیا تا کہ گاؤں برادری کو علم ہو جائے کہ گھر میں موت ہو گئی ہے۔ ریشماں سسکتی ہوئی اٹھی' ضمیر کی چابک سے لہولہان روح کے ساتھ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ بند کیا' روشنی بجھائی اور اپنے بستر میں لیٹ گئی۔ ساجد سچ کہتا تھا اتنے بڑے کمرے میں اب میرا کیا کام ۔۔۔ ایک رات ہی کی تو بات ہے۔۔۔ شکر ہے اس گھر میں ایک باکس روم بھی تھا۔۔۔ وہ مطمئن سی ہو کر سوچتے سوچتے سو گئی۔

اہم معلومات۔۔۔۔۔۔۔ثقلین مبارک

۱۔خالص ہیرا پانی میں پڑا ہوا نظر نہیں آتا۔۲۔آسٹریلیا واحد ملک ہے جہاں گلہری پائی نہیں جاتی۔۳۔سعودی عرب میں کوئی سینما نہیں۔۴۔دنیا میں کبوتر کی ۱۲۷۸ اقسام پائی جاتی ہیں۔

سات کا ہندسہ

۱۔اعضائے سجدہ سات ہیں۔۲۔طواف کے سات چکر ہیں۔۳۔منیٰ کے میدان میں شیطانوں کو سات کنکر مارنا واجب ہیں۔۴۔صفا مروہ کے درمیان ۷ چکر لگانا ہوتے ہیں۔۵۔جہنم کے ۷ دروازے ہیں۔۶۔حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو۔۔۷۔سورہ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔۸۔ہفتہ کے سات دن ہوتے ہیں۔۹۔قوس وقزح کے سات رنگ ہوتے ہیں۔۱۰۔تخلیق انسانی سات مراحل میں مکمل ہوتی ہے۔۱۱۔قرآن مجید میں سات زمینوں اور سات آسمانوں کا ذکر ہے۔۱۲۔بچے کا ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے۔

۔جوش ملیح آبادی کے خیال میں۔۔۔مولوی

ہوئی اِک مولوی سے کل ملاقات
شبیہ قُبہ و شبیہ منبر
وہی ہونگے جو فردوسِ برّیں میں
خدا کے فضل سے حوروں کے شوہر
جبیں کی داغ اِک دہکی ہوئی رات
کمر کا گھیر اِک سمٹا سمندر
بتوں کی چاہ میں ہم رشکِ مجنوں
خدا کے عشق میں وہ دیو پیکر
وضو کے فیض سے شاداب داڑھی
خدا کے خوف سے چہرہ گُلِ تر

صنفِ نازک...............بیوی سے فرار

مرسلہ (زکریا ورک کینیڈا)

بیوی بلوغت کی انٹرنیشنل ڈگری ہے اس کو سنبھال کر رکھنا ہر شوہر کے فرائض میں شامل ہے۔ بیوی نئی ہو تو کہیں اور دل نہیں لگتا۔ پرانی ہو جائے تو بیوی میں دل نہیں لگتا۔ بیوی شروع شروع میں آپ کے تمام کام کرتی ہے بعد ازاں کام تمام کرتی ہے۔ باپردہ بیوی وہ ہوتی ہے جو شوہر کا دیگر تمام عورتوں سے پردہ کروا دے۔ مرد کو اپنی برائی اور کمزوری کا احساس اپنی بیوی کے ذریعے ہوتا ہے۔ بیوی آغاز میں محبت دیتی ہے آخر میں بچے۔ بیوی خوبصورت ہو تو نظر نہیں ہٹتی بدصورت ہو تو نظر نہیں لگتی۔ از روئے مذہب ہر بیوی کا ایک شوہر اور ہر شوہر کی کئی بیویاں ہو سکتی ہیں محبوبہ کو بیوی بنا لینا آسان ہے صرف

ایک نکاح خواں، چند گواہ اور چھوہاروں کی ضرورت ہوتی ہے۔مگر بیوی کو محبوبہ بنائے رکھنے کے لئے پوری تنخواہ، پورا دل، پوری آنکھیں پورا بیڈ روم اور پوری صاف ستھری نیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک بیوی شوہر کا دل، گھر کا آنگن صاف رکھتی ہے وہ بیوی کم اور ہدایت اور نیکی کا فرشتہ زیادہ لگتی ہے بچہ بالغ اور ملازم ہو جائے تو والدین اس کی بیوی لانے کا سوچتے ہیں اور وہی بیوی گھر آ کر والدین کو بے گھر کرنے کا سوچتی ہے۔سہاگ رات کی بیوی اور آئندہ کی بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ویسے ہی جیسے ڈھکن کھول کر فوری کولڈ ڈرنکس پینے اور بعد ازاں فریج میں رکھی کولڈ ڈرنک پینے سے ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اچھی بیوی زبان سے پہچانی جاتی ہے۔زبان کہاں چلانا ہے یہ اچھی بیوی اچھی طرح جانتی ہے۔کچھ شوہر بیوی کی لسانی کاروائی سے طلوع آفتاب تک خوش رہتے ہیں۔اکثر شوہر خوش لباس بیویوں کو پسند کرتے ہیں۔اور لباس میں دیکھ کر زیادہ خوش رہتے ہیں۔دوسری بیوی وہیں لائی جاتی ہے جہاں پہلی کچن یا بیڈ میں ایکٹو نہ ہو۔ بیوی کے ساتھ بہت سے فرائض منسوب ہیں۔جیسے روزانہ کھانا یا دماغ پکانا، گھر اور بستر صاف رکھنا، آخر الذکر کام ایسا ہی ہے جیسا کہ وزیر اعظم کا صدر پاکستان کو خوش رکھنا اس کام میں کتنا مکھن اور تیل ضائع ہوتا ہے اس کا حساب کوئی نہیں رکھتا۔اکثر شوہر اپنی بیویوں سے شاکی رہتے ہیں۔کیونکہ انسان ہر سال نیا فون تو خرید لیتا ہے مگر بیوی وہی رہتی ہے۔انسان کی آدھی عمر ماں کے ہاتھ کا کھانا کھا کر اور باقی آدھی عمر بیوی کے ہاتھ کا کھانا کھا کر گزر جاتی ہے۔جو شوہر بیوی کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔بیوی کی تعریف کرنا شوہر کا نکاحی فریضہ ہے یہ واحد کام ہے جس میں بولا گیا جھوٹ بھی قابل معافی ہے ایک نکاح خوان بتا رہے تھے کہ ہمارے کام میں برکت اسی وجہ سے ہے کہ مرد بیویوں کی کم اور کنواریوں کی زیادہ تعریف کرتے ہیں۔ غیر شادی شدہ کی تعریف کرنے سے وہ آئینہ دیکھنے اور نکاح کرنے پر مائل ہوتی ہیں۔ مغرب اور مشرق میں یہ فرق ہے کہ ہمارے ہاں بچے صرف بیویاں پیدا کرتی ہیں۔ جبکہ مغرب میں یہ کارگزاری محبوبہ بھی انجام دیتی ہے ہر بچہ بیوی اور شوہر کے درمیان اینٹ کی طرح ہوتا ہے۔اور پاکستانیوں کو دیوار کھڑی کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں آگ بجھ جاتی ہے مگر اینٹیں پکتی رہتی ہیں۔بیوی اور گاڑی جتنی پرانی ہو زیر استعمال رہتی ہے آج کے دور کی بیویاں دفتر بھی جاتی ہیں دفتر جانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گھر پر سالی اور چہرے پر خوشحالی نظر آتی ہے۔بیوی کی بہنیں اگر خوبصورت ہوں تو سسرال کے وزٹ کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے۔ساس ماں جیسی لگتی ہے اور سسرال کو دئے جانے والے تحائف پر شوہر کا دل رنجیدہ نہیں ہوتا۔جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اس کی صحت اور بنک بیلنس کی صورت حال نازک ہی رہتی ہے۔اس کا بیشتر وقت ناز برداری اور نہانے میں گزرتا ہے۔ہمارے دوست علیل جبران کو میں نے جب بھی دیکھا وہ بیگم کا ہاتھ تھامے رہتے ہیں ہم نے ان کی اس رشک آمیز محبت کا تذکرہ کیا تو بولے ”ہاتھ نہ تھاموں تو وہ فوراً شاپنگ کو بھاگتی ہے۔“ غیر شادی شدہ، شادی شدہ دانا ہوتا ہے جبھی تو وہ غیر شادی شدہ ہوتا ہے۔شادی کرنا اور درویشی اختیار کرنا ایک ہی بات ہے دونوں کو دنیا ترک کرنی پڑتی ہے۔ایک کو اللہ مل جاتا ہے دوسرے کو بیوی۔ ایک دانا کا کہنا ہے کہ شادی ایک ایسی جنگ ہے کہ جس میں آپ کو اپنے دشمن کے ساتھ سونا پڑتا ہے۔محبوبہ کی محبت میں آنکھیں بند رہتی ہیں مگر بیوی پا کر آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔شادی کے پہلے سال بیوی محبوبہ لگتی ہے۔دوسرے سال سے چوتھے سال تک دوست پھر اس کے بعد تا زندگی وہ دشمن جسے آپ چھوڑ بھی نہیں سکتے۔علی جبران کہتے ہیں کہ کہ شوہر کی حیثیت جسم میں سر کی اور بیوی کی حیثیت گردن کی ہوتی ہے جو سر کو جس طرف چاہے موڑ سکتی ہے۔بیوی پر جتنا خرچ کیا جائے یا لکھا جائے کم ہے۔کچھ لوگ شادی کے بعد ناول نگار بن جاتے ہیں یا پھر شاعر اسے کہتے ہیں ”بیوی سے فرار“۔۔۔۔۔مرزا یاسین بیگ شادی شدہ ہونے کے باوجود مزاح اور صحافت کو اپنی محبوبہ سمجھتے ہیں کینیڈا اور پاکستان کی دوہری شہریت ان کی تحریروں سے جھلکتی ہے۔

شہرِ دِل۔۔۔۔۔۔بلال افتخار

ایک آرٹسٹ کو دل کے دروازے کی تصویر بنانے کو کہا گیا۔اس نے بہت حسین گھر بنایا۔اور اس میں ایک خوبصورت سا دروازہ بنایا مگر اس کا ہینڈل نہیں تھا۔کسی نے پوچھا۔ہینڈل کیوں نہیں؟ تو اس آرٹسٹ نے بہت ہی خوبصورت بات کہی۔”دل کا دروازہ اندر سے کھولا جاتا ہے۔باہر سے نہیں اگر باہر سے کھولا جاتا تو کسی کے دل میں جگہ بنانا بہت آسان ہوتا۔“

مرسلہ۔ زیڈ اے شاہ صاحب

میں بھی کافر تو بھی کافر پھولوں کی خوشبو بھی کافر
لفظوں کے جادو بھی کافر، یہ بھی کافر، وہ بھی کافر
فیض بھی اور منٹو بھی کافر، نور جہاں کا گانا کافر
برگر کافر، کوک بھی کافر میکڈانلڈ کا کھانا کافر،
ہنسنا بدعت ،جوک بھی کافر، طبلہ کافر ، ڈھول بھی کافر
پیار بھرے دو بول بھی کافر، سُر بھی کافر، تال بھی کافر
بھنگڑا، تان، دھمال بھی کافر دھادرا، ٹھمری، بھیروی کافر
کافی اور خیال بھی کافر، وارث شاہ کی ہیر بھی کافر
چاہت کی زنجیر بھی کافر، زندہ مردہ پیر بھی کافر
نذر نیاز کی کھیر بھی کافر، بیٹی کا بستہ بھی کافر
بیٹی کی گڑیا بھی کافر، ہنسنا رونا کافر کا سودا، غم کافر خوشیاں بھی کافر

جینز بھی اور گٹار بھی کافر،ٹخنوں سے نیچے باندھو تو اپنی یہ شلوار بھی کافر
فن بھی اور فنکار بھی کافر، جو میری دھمکی نہ چھاپیں وہ سارے اخبار بھی کافر، یونورسٹی
کے اندر کافر، ڈارون بھائی کا بندر کافر، فرائیڈے پڑھانے والے کافر، ماکس کے سب
متوالے کافر، میلے ٹھیلے کافر کا دھندہ، گانے باجے سارے پھندہ، مندر میں توبت ہوتا
ہے، مسجد کا بھی حال برا ہے کچھ مسجد کے باہر کافر، کچھ مسجد کے اندر کافر، مسلم ملک میں
اکثر کافر، کافر کافر میں بھی کافر ،کافر کافر تو بھی کافر

اَشکوں کے چراغ۔۔ چوہدری محمد علی مضطر صاحب کا کلام

عاصی صحرائی

''بہت ہی خوب اور تروتازہ کلام ہے.....اس وقت جماعت
کے شعرا میں خدا تعالیٰ نے آپ دونوں (چوہدری محمد علی اور عبیداللہ
علیم مرحوم ۔ناقل) کو جو امتیازی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ
دوسرے شعراء خواہ مانیں یا نہ مانیں، مگر میں چونکہ شعراء میں سے
نہیں ہوں، میں مانتا ہوں، اپنی اپنی طرز میں آپ دونوں بعض دفعہ
ایسی شان سے اُبھرتے ہیں کہ لکھنے والوں کے قلم ٹوٹ جاتے
ہیں۔اللھُم زدو بارک (اقتباس از مکتوب حضرت مرزا طاہر احمد
بنام چوہدری محمد علی صاحب)

اشکوں کے چراغ سے چند دلکش اشعار پیش خدمت ہیں۔

اُترا تھا چاند شہرِ دل و جاں میں ایک بار
اب تک ہیں آنگنوں میں اُجالے پڑے ہوئے
آمادگی کا نور غزل خواں ہے آنکھ میں
فرطِ، حیا سے لب پہ ہیں تالے پڑے ہوئے
اشکوں میں ہیں اَنا کی چٹانیں چھپی ہوئی
جیسے سمندروں میں ہمالے پڑے ہوئے
باہر اُٹھا کے پھینک دیئے بُت غرور کے
کب سے تھے مکان میں سالے پڑے ہوئے
تجدید عہد کے لئے پڑھتا ہوں بار بار
گھر میں ہیں کچھ پرانے رسالے پڑے ہوئے

یہ وہ زمیں تھی جو آسماں سے اُتری تھی
یہ وہ حوالہ تھا جو بار بار دینا تھا
وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں
اسے کسی نے تو کافر قرار دینا تھا
وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے
کہ پھولنا تھا اُسے، برگ و بار دینا تھا
ہمیں بھی عہد کے انجام سے تھی دلچسپی
کہ ہم فقیروں کا اُس نے اُدھار دینا تھا

جانتا ہوں دعا کے موسم میں
وہ اکیلا کدھر گیا ہوگا
اس کی آواز کی صداقت پر
لفظ لذّت سے بھر گیا ہوگا
ہم ہیں قاری صحیفہء رُخ کے
ہم ہیں اہلِ کتاب چہروں کے
ہم نے دیکھے ہیں جاگتی آنکھوں
خواب در خواب خواب چہروں کے
تیری دنیا دائرہ در دائرہ در دائرہ
دائروں کے دیس میں ہم نے سفر تنہا کیا
تم تو اک پتھر گرا کر مسکرا کر چل دیئے
وقت کا ویران سینہ مدتوں گونجا کیا
جاگنے والے اشکوں کی آواز نہ سُن
آنکھ کے سورج ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتے ہیں
جا رہنے کو شہر بھی ہیں ،ویرانے بھی
اُن کی گلی میں جاؤ ہم بھی چلتے ہیں

تری محفل میں میری نگہِ گستاخ
جھگڑنے آئی تھی قائل گئی ہے

اسے اس کی شہنشاہی مبارک
مجھے میری فقیری مل گئی ہے

سفر پہ جب بھی نکلتا باوضو ہو کر
نماز پڑھتا ہے لمحہ، اذان بولتا ہے

یہ کون گزرا ہے صحرا پہ منکشف ہو کر
قدم قدم پہ قدموں کا نشاں بولتا ہے

آسمان اور زمین کا فرق
درد میں اور دردِ پیہم میں

ہجر کی شب ہی وصل کی شب ہے
یعنی رمضان ہے محرم ہے

دمِ عیسیٰ ہے معجزہ کس کا
کس کی پاکیزگی ہے مریم میں

اُفتاں و خیزاں چلے تیری طرف
راستے میں ٹھوکراں بھی کھائیاں

تیری سچائی کی ہیں حلقہ بگوش
سب پرانی اور نئی سچائیاں

کیسی کیسی عزتوں میں ڈھل گئیں
کیسی کیسی ذلّتیں، رُسوائیاں

زیرِ لب کہیے، بر ملا کہیے
کہیے کہیے مجھے بُرا کہیے

اب تقاضا ہے مصلحت کا یہی
واعظِ شہر کو خدا کہیے

دیکھیے مت قریب سے مجھ کو

دُور سے تکیے، پارسا کہیے

(بشکریہ المنار لندن)

مشاعرہ HIGHWICKHAM

زیرِ انتظام بزمِ شعروسخن برطانیہ ۔ رپورٹ (عاصی صحرائی)

مورخہ ۱۴ دسمبر بروز ہفتہ کے دن ہمارے بھائی جناب رضوان بیگ صاحب نے ایک مشاعرے کا انتظام کیا تو ہم سب شعراء کو اس دن کے لئے عامر مجید نے مدعو کیا۔ ہم سب (عامر مجید، مبارک صدیقی، عاصی صحرائی، نورالجمیل نجمی، عبدالمجید ظفر، قاضی عبدالرشید صاحب) دوست عامر مجید کی گاڑی میں چھ بجے شام رضوان بیگ صاحب کے دولت خانہ پر پہنچے۔ موصوف نے بڑی گرم جوشی سے ہم سب کا استقبال کیا ۔اُن کا گھر مجھے بلکہ سب مہمانوں کو بہت اچھا لگا۔ ایک بہت وسیع ڈرائنگ روم قالینوں سے مرصع، دیواروں پر منقش کیلیگرافی کے نمونے، ہاتھی دانت مزین تھے ۔رضوان بیگ صاحب خود کیلی گرافر ہیں اور ان کو ایسی نادر اشیاء کو اکٹھا کرنے کا شوق ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دکھائے جو کہ مختلف خطوں میں خود رضوان بیگ صاحب نے لکھے ہیں۔ جس کو ہم سب دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔ ان کا گھر کم اور میوزیم زیادہ لگ رہا تھا۔ خطِ کوفی اور خطِ یمنی، اور خطِ مصری میں ہم ان کے مخطوطات دیکھ کر حیران رہ گئے ۔

اس دوران بہت سے مہمان تشریف لے آئے۔ اور مشاعرے کا آغاز ہونے کو تھا۔ کیمرہ مین نے اپنا کیمرہ فٹ کر لیا تھا اور مائیک سپیکر وغیرہ بھی اپنی اپنی جگہ پر نصب کئے جا چکے تھے۔ بڑے ڈرائنگ روم میں جہاں کہ کافی جگہ تھی سامعین بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ جناب رضوان بیگ صاحب نے کھانا تناول فرمانے کی سب حاضرین کو دعوت دی۔ سب ڈائننگ ہال کی طرف بڑھے تو شاہانہ انداز میں کھانا ڈائننگ ٹیبل پر سجا ہوا تھا۔ دنیا کی ہر ڈش پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس مہمان نوازی سے رضوان بیگ اور ان کے اہلِ خانہ کا خلوص ظاہر و باہر تھا۔ کھانا بہت ہی لذیز اور فائیو سٹار ہوٹل کے معیار سے کسی طور کم نہ تھا۔ ابھی کھانا کھانے کے بعد بیٹھے ہی تھے کہ جناب عامر مجید صاحب نے مشاعرے کے آغاز کی نوید سنائی۔ مشاعرے کا آغاز عبدالمجید ظفر کے حمدیہ کلام سے کیا گیا جو کہ بہت اچھا تھا۔ اس کے بعد حسبِ روایت عامر مجید نے اپنا کلام سنایا جو کہ نہایت شستہ اور اعلیٰ کلام تھا سامعین نے خوب سراہا۔ پھر ان کے بعد برمنگھم سے آئے ہوئے جوان شاعر جناب جواد عالم کی باری آئی۔ انہوں نے اپنی جدید شاعری سے سامعین کو نوازا جو کہ پسند کی گئی۔ ان کے بعد رانا عبدالرزاق خاں نے اپنا کلام پیش کیا۔ جو کہ خلیفہ وقت اور خلافت سے عشق سے متعلق

تھا۔سامعین نے دل بھر کر داد دی۔ان کے بعد ایک نوخیز شاعر اعزاز بٹ صاحب آئے انہوں اپنا کلام سنایا۔ان کے بعد نورالجبیل نجمی کی باری آئی۔جن کا کلام بھی بہت پسند کیا گیا۔اس کے بعد رضوان بیگ صاحب نے بھی اپنا کلام سنایا۔جو کہ چھپے رُستم نکلے۔اس کے بعد کہنہ مشق شاعر اور اینکر جناب مبارک صدیقی صاحب کی باری آئی۔جن کے آتے ہی لوگوں کے چہروں پر ایک خوشی کی لہر دیکھی گئی۔آپ نے اپنا تازہ اور منفرد کلام سنا کر سامعین کے دل موہ لیئے۔ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں آرہی تھیں۔سامعین نے کھل کر داد دی اور بہت محظوظ ہوئے۔اس کے بعد سب حاضرین کی خدمت میں چائے اور کیک پیش کیا گیا۔اس سے بھی میزبان کا خلوص اور پیار ٹپکتا نظر آیا۔اس کے بعد مشاعرے کا دوسرا دور شروع ہوا۔جس میں سب شعراء نے اپنا اپنا مزاحیہ کلام سنایا۔جس پر محفل کشتِ زعفران کا منظر پیش کر رہی تھی۔اسی دوران سب احباب کی خدمت میں چھالیہ اور سونف بھی پیش کی گئی۔اب رات بھیگ رہی تھی۔اور سامعین کا دل کرتا تھا کہ یہ حسین اور پُر بہار محفل ختم نہ ہو مگر ایسا ناممکن ہے ۔آخر رات کے دس بجے یہ خوبصورت محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُردو ادب کو فروغ دینے کے لئے ایسی مجالس منعقد کرنے کی مسلسل توفیق دیتا رہے۔

آمین۔رانا عبدالرزاق خاں

ارشاد عرشی ملک۔۔۔۔۔۔مرسلہ بی اے رفیق

لگا کر جاں کی بازی عشق کے اسرار تک پہنچی
بڑے ہی بانکپن سے میں فرازِ دار تک پہنچی

بہت ناداں تھی جب معرفت سے کا زعم تھا مجھ کو
اب آخر معرفت سے عجز کے اقرار تک پہنچی

تھا گرد آلود چہرہ عقل کا دربار میں تیرے
پکڑ کر عشق کا پلّو جمالِ یار تک پہنچی

بھلا کر میں نے جب سود و زیاں یہ راستہ پکڑا
تھی اول کچھ جھجک، پھر شوخیء رفتار تک پہنچی

تجلی جب ہوئی دل پر تو سدھ بدھ گئی اپنی
دھمالیں ڈالتی پھر میں ترے دربار تک پہنچی

جھلک دکھلا کے پردہ کر لیا محبوب نے میرے
اسی کی کھوج میں میں لذت آزار تک پہنچی

"یُحِبُّھُم" کا مژدہ جب سنا میں ہو گئی بے کل
کیا عزمِ سفر ہر وادیِ پُر خار تک پہنچی

بہت سے عابد و زاہد یہاں نخوت کے پر دیکھے
میں مسکینی کا آنچل اوڑھ کر اس پار تک پہنچی

کوئی خوش بخت پاتا ہے یہاں دیدار کی دولت
ابھی میں خام ہوں سو وعدہء دیدار تک پہنچی

بلاتا ہے مجھے کوہِ ندا میں رُک نہیں سکتی
تجسس لے چلا مجھ کو رہِ دشوار تک پہنچی

میں تیری معرفت کے بحر میں ڈوبی کبھی اُبھری
یونہی غوطے لگاتی عشق کی منجدھار تک پہنچی

تیری ہیبت نے جب ڈھانپا زباں پر پڑ گئے تالے
کرم نے جب ترے تھاما لبِ اظہار تک پہنچی

منڈیروں پر تری اب کوکتی اور گیت گاتی ہوں
تری ذرہ نوازی سے میں اس چہکار تک پہنچی

مرے دل میں سجا رہتا ہے میلہ تیری یادوں کا
ہر اک رونق سے منہ موڑا تو اس تہوار تک پہنچی

یہ راہِ عشق ہے نقصان کے ڈر سے مبرا ہے
چلی اس راہ پہ تو میں عجب اسرار تک پہنچی

بتا سکتی نہیں میں کیا ہے ذکرِ یار میں لذت
کوئی لذت نہیں دنیا کی اس معیار تک پہنچی

تری چاہ نے لہجے کو میری تازگی بخشی
نئے افکار تک پہنچی، نئی گفتار تک پہنچی

محمد مصطفیٰ کی پیروی بھاتی ہے مولا مجھ کو
سو عشقِ مصطفیٰ کی راہ سے دلدار تک پہنچی

چھڑا اب مصطفیٰ کا ذکر تو دھندلا گئی آنکھیں
انہی دھندلائی آنکھوں سے ترے دیدار تک پہنچی

پروں کو میں نے گارے میں لتھڑنے سے بچایا ہے
سو میں پہلی اُڑاری میں تری دیوار تک پہنچی

تھا عشرہ آخری رمضان کا انوار کی بارش
ترا احسان تھا مالک کہ اس بوچھاڑ تک پہنچی

خبر یہ گرم تھی تیری سواری آج گزرے گی
میں ننگے پاؤں دوڑی ہوں مگر مہکار تک پہنچی

ترے دربار میں گو بھیڑ تھی عشاق کی آقا
مگر جلووں کی کچھ خیرات مجھ نادار تک پہنچی

کیا ہے کھوج میں اپنی بہت لمبا سفر میں نے
بہت سالوں میں گھر کے در و دیوار تک پہنچی

مجھی میں میرا صحرا ہے مجھی میں میرا گلشن ہے

کبھی صحراؤں میں بھٹکی کبھی گلزار تک پہنچی
غنی ایسا ہے تو مالک جسے حاجت نہیں کوئی
میں اپنی حاجتوں سے پُر ترے دربار تک پہنچی
تجھے جب بھی پکارا ہے سدا موجود پایا ہے
تری رحمت خود آگے بڑھ کے مجھ لاچار تک پہنچی
مجھے تنہا کبھی چھوڑا نہیں تو نے مرے مالک
تسلی تیری جانب سے دلِ بیمار تک پہنچی
تری چوکھٹ پہ جو رونے اور تڑپنے میں ہے جو لذت
وہ لذت اب جنوں کے اوّلیں آثار تک پہنچی
بہت اونچے سُروں میں جاکے یہ اشعار لکھے ہیں
مرے دل میں بھری مستی مرے اشعار تک پہنچی
مری اوقات کیا میں دو ٹکے کی بانسری عرشی
تھی تیری پھونک جو میرے لبِ اظہار تک پہنچی

مرا وطن.....عاصی صحرائی

مری قوم کھو گئی خوابوں کے سفر میں
ملا کیا اب تک اسے سرابوں کے سفر میں
آ گیا مرے وطن پر وقتِ زوال
ساری دولت خرچ ہوگئی شہبازوں کے سفر میں
غریب قوم کو درس دیتے رہے ایمان و تنظیم و اتحاد
خود شہید ہو گیا مرا وطن آمر، بیوروکریٹ اور نوابوں کے سفر میں
مرا وطن چڑھ گیا مُلا جاہل کے ہتھے
رہتا ہے ہر دم اسی لئے عذابوں کے سفر میں
مُلا سے مل گئی اب مجاہد کی اذاں بھی
منزل اب تک نہ ملی انہیں کتابوں کے سفر میں
مسلم و مومن کا مقصد ہے آج کل
کتنا مال بنتا ہے حجاجوں کے سفر میں
کفن پہ بھی تم دیکھو گے ''چھپے'' کا اشتہار
کتنا مال کمایا ہے اس قوم نے مُردوں کے سفر میں
عالم بھی جب کرتا ہے وعظ و نصائح
منبر نہیں ہوتا فقط ہوتی ہیں جیبیں بھی نظر میں
خود عمل کرتا ہے نہ حق بتاتا ہے کسی کو
یہ فرعون وقت کھو گیا ہے خطابوں کے سفر میں
یہ خونخوار ، یہ وحشی و بد کردار، یہ دہشت گرد
یہ مسلم ،نہ مومن ہے نہ انساں ہے اللہ کی نظر میں
اب تو سعودی ہو گیا امیر و طاقتور مثل عالم پناہ
ورنہ پہلے وہابی کی کوئی قدر نہ تھی مُلاں کی نظر میں
ایسی نظر لگائی عاصی گھر کے دشمن نے میرے وطن کو
یہ ہے اب شاطر و شیطان، خودکُش، خونی بے ایمان دنیا کی نظر میں

خلافت کی بے ثمر تحریکات

عاصی صحرائی

عصرِ حاضر اور ماضی کی ساری تحریکات کا مقصد یہ ہے کہ کچھ علماء وغیرہ سمجھتے ہیں کہ بس انہیں اقتدار و اختیار دے دیا جائے تو وہ خود ہی خلافت قائم کر لیں گے۔کئی ممالک میں کچھ سیاسی و انقلابی لیڈروں نے علماء کے جوڑ سے منصب خلافت سے انتساب چاہا مگر خائب و خاسر رہے۔ایک سرسری جائزہ سے دنیا بھر میں قیام خلافت کی مختصر کوششوں کا ذکر مفید ہوگا جس سے خوب ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر خدا نہ بنائے تو کوئی طاقت کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتی۔

۱۔واقعہ کربلا کے بعد ایک انقلابی لیڈر مختار ثقفی نے حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو امام مہدی قرار دے کر خود ان کی خلافت کا دعویٰ کیا۔۲۔1881ء میں سوڈان کے محمد احمد نامی لیڈر نے بعمر ۳۳ سال مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنا مشن رسوم و بدعات کے خلاف جہاد اور ترک و مصر کی حکومتوں کا خاتمہ قرار دیا۔تحریک تیزی سے پھیلی مگر انگریز کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھائی۔۳۔1919ء میں علی برادران نے تحریک خلافت شروع کی۔جسے

گاندھی جی کی بھرپور حمایت حاصل رہی۔مگر کامیاب نہ ہوسکی۔۴۔معزول عثمانی خلیفہ وحیدالدین محمد نے شریف مکہ حسین کو خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کر لی تاکہ خلافت کا سلسلہ چلتا رہے جسے ابن سعود کی تحریک نے روند ڈالا۔۵۔جنوری 1929ء میں بچہ سقہ نے کابل پر حملہ کرنے کے بعد ''امیر حبیب اللہ خان'' کا علَم بلند کیا۔اس کو ۱۶ رفقاء سمیت اکتوبر میں پھانسی دے دی گئی۔۶۔گزشتہ صدی میں شاہِ مصر فاروق کے ذریعہ اسلامی قیادت قائم کرنے کی کوششیں جنرل نجیب کے ہاتھوں غارت ہوئیں۔۷۔1969ء میں جعفر نمیری نے علماء سے ملکر گٹھ جوڑ کر کے امام سوڈان بن کر احیائے خلافت کا خواب دیکھا جو شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔۸۔فروری 1974ء میں لاہور کی عالمی سربراہی اسلامی کانفرنس کے موقع پر شاہ فیصل کو عالمِ اسلام کا خلیفہ اور امیرالمومنین بنانے کا تصور اُبھرا مگر وہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء کو اپنے ایک عزیز کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔

۹۔پاکستان کے آمر ضیاء الحق نے ۱۹۷۹ء میں ''مردِ مومن مردِ حق'' ہو کر زکوٰۃ وعشر اور نمازوں کے قیام سے ایک خواب دیکھا مگر اس کا بھی خواب بھی چکنا چور ہوگیا اور وہ ایک فضائی حادثے میں جل کر اپنے انجام کو پہنچا۔۱۰۔افغانستان میں ایک عشرہ پہلے تحریک طالبان نے مُلّا عمر کو امیرالمومنین قرار دیا مگر واقعہ نائن الیون نے اس معاملے کا ستیاناس کر دیا۔۱۱۔پاکستان میں ۱۹۷۵ء سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوشاں ہیں خصوصاً ۱۹۹۱ء سے احیائے خلافت کی زوردار تحریک شروع کر رکھی ہے اور اسے مسلم ممالک کی دولتِ مشترکہ میں REVOLVING صدارت کی شکل میں قابلِ عمل قرار دے رکھا ہے۔!

؎ ایں خیال است ومحال است وجنوں

۱۲۔ماضی قریب میں متعدد ناموں سے ہندو پاکستان، کشمیر اور یورپ میں احیائے خلافت کی متعدد تحریکات شروع ہو کر دم توڑ گئیں۔

۱۳۔۲۰۰۷ء میں جکارتہ کانفرنس انڈونیشیا کا بغرض احیائے خلافت انعقاد ہوا مگر بے سود۔آج بھی مختلف ممالک میں احیائے خلافت کی تحریکات جنم لیتی اور ہمیشہ کے لئے مٹتی جارہی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تحریک منجانب اللہ نہیں فقط انسانی کوششوں ہیں جو کبھی بارآور نہیں ہو سکتیں ؎ مکرِ انساں کو مٹا دیتا ہے انسانِ دگر

افتخار عارف

اُمت سیّد لولاک سے خوف آتا ہے
شہرِ گل کے خس و خاشاک سے خوف آتا ہے
جس کا وارث ہوں اسی خاک سے خوف آتا ہے
کبھی افلاک سے نالوں کے جواب آتے تھے
اِن دنوں عالمِ افلاک سے خوف آتا ہے
رحمتِ سیّد لولاک پہ کامل ایمان
اُمت سیّد لولاک سے خوف آتا ہے

☆☆☆

انہی میں جیتے انہی بستیوں میں مر رہتے
یہ چاہتے تھے مگر کس کے نام پر رہتے
پیمبروں سے زمینیں وفا نہیں کرتیں
ہم ایسے خدا تھے کہ اپنے گھر رہتے

☆☆☆

میں جیسے تیسے ٹوٹے پھوٹے لفظ گھڑ کے آگیا
کہ اب یہ تیرا کام ہے بگاڑ دے سنوار دے

مُلّاں بس۔۔ارشاد عرشی ملک۔مرسلہ بی اے رفیق

بہت اُکتا چکا ہے آج کا انسان مُلّا ں بس
ابھی نکلا نہیں ہے ترے دل کا ارمان مُلّا ں بس
کبھی تو اشرف المخلوقات تھا کچھ یاد ہے تجھ کو
پنہ اب مانگتے ہیں تجھ سے سب حیوان مُلّا ں بس
تجھے رشک حسد سے دیکھتا رہتا ہے بے چارہ

کہ تری ریس کر سکتا نہیں شیطان مُلّا ں بس
بہت کی خدمتِ اسلام مُلّا ں اب تو بس کردے
بھُلا سکتا نہیں اسلام یہ احسان مُلّا ں بس
فساد فی سبیل اللہ ہے تری شہرت برسوں سے
اُٹھا مت چائے کی پیالی میں یہ طوفان مُلّا ں بس
سبھی بھیگے ہوئے ہیں کُفر کی بوچھاڑ پیہم میں
بہت برسا چکا فتنوں کا تُو باران مُلّا ں بس
فلاں ملحد فلاں مشرک فلاں کافر فلاں اکفر
اسی سُر پر سدا ٹوٹی ہے تیری تان مُلّا ں بس
اُڑا مت کف گلے کو دو گھڑی آرام لینے دے
نہ غم کے ہو اس قدر ہلکان مُلّا ں بس
لکھا ہے بدترین مخلوق کا قصہ کتابوں میں
بھلا وہ کون ہیں ان کو ذرا پہچان مُلّاں بس
جہاں میں کس لئے آیا تھا کیا لے جارہا ہے تو
یہ گھڑی پاپ کی ہے کُل ترا سامان مُلّا ں بس
نئی نسلوں کو تونے دین سے بے زار کر ڈالا
وہ اب سنتے نہیں ہیں من گھڑت فرمان مُلّا ں بس
سناتا ہے تو قرآن خود عمل اس پر نہیں کرتا
تبرا بھیجتا ہے تجھ پر خود قرآن مُلّا ں بس
پنہ مانگیں گے مُلاؤں سے بھیڑیئے اک دن
حدیثوں میں لکھی تھی یہ تری پہچان مُلّاں بس
مفاسد کی سبھی آماجگاہیں مسجدیں ہوں گی
محمد ﷺ کا تھا یہی فرمان مُلّا ں بس
گناہوں سے ذرا رُک جا انہیں آرام کرنے دے
فرشتے لکھتے لکھتے ہو گئے ہلکان مُلّا ں بس
کراماً کاتبین بھی تھک گئے تفصیل کیا لکھیں
اب تک لکھ نیں پائے وہ کُل عنوان مُلّا ں بس
نہ جانے کتنی صدیوں تک جہاں رو رو کے گائے گا
بہت لمبا ہے ترے جُرموں کا ترے دیوان مُلّاں بس
کماکر دیکھ محنت سے کبھی رزقِ حلال اپنا
بڑھا دے کفر کے فتووں کی یہ دکان مُلّا ں بس
بشر کے فائدے کے واسطے وہ کچھ تو کرتے ہیں
بہت بہتر ہیں تجھ سے موچی و ترکھان مُلّا ں بس

غبارِ دل یوں ہی عرشی نے شعروں میں نکالا ہے
سدھرنے کا نہیں گرچہ ترے امکان مُلّا ں بس
اسمبلی کا تجھے بھا گیا ایوان مُلّا ں بس
فقط مسجد ہے ترے لئے زندان مُلّا ں بس
خدا کی نعمتوں کا اس قدر کفران مُلّا ں بس
کہ ہمدم ِ دیرینہ ہے شیطان مُلّا ں بس
حکومت کی چمک پاکر تری چُندھیا گئیں آنکھیں
ہر اک فرعون کا ساتھی ہے تو ہامان مُلّا ں بس
وطن کو لے نہ ڈوبے یہ ترا چسکا سیاست کا
تجھے کافی نہیں تھا دین کا میدان مُلّا ں بس
جو جیکٹ خود کُشی کی روز پہناتا ہے اوروں کو
کبھی خود بھی پہن جھوٹے شیطان مُلّا ں بس
یہ دینی بد معاشی غنڈہ گردی اور کتنے دن
کہ ودرت اب ترا کرنے کو ہے چالان مُلّا ں بس
نکالا تو نے فرقہ واریت کے جن کو بوتل سے
جدا تونے کیا انسان سے انسان مُلّا ں بس
بہت کھیلی ہے خون کی ہولی اب تو بس کردے
بنے مقتل مساجد کے بھی دالان مُلّا ں بس
جو بہتا ہے لہو باچھوں سے اس کو پونچھ لے ظالم
کہ آجاتا ہے ویمپائر کا مجھ کو دھیان مُلّا ں بس
ہمیشہ دین کو بیچا ہے تو نے نرخ ارزاں پر
کیا اسلام کا تو نے بہت نقصان مُلّا ں بس
سوائے تیرے دنیا کافرو زندیق ہے ساری
یہی تجھ کو بتاتا ہے ترا وجدان مُلّا ں بس
ترے اپنے سوا کوئی سما سکتا نہیں اس میں
بہت تنگ ترا حلقہ ایمان مُلّا ں بس
مغلظ قورمہ، لعنت کی روٹی، کفر کا حلوہ
سجا دیکھا ہے ہم نے ترا دسترخوان مُلّا ں بس
بنانے کا مسلمان شوق تھا اسلاف کو عرشی
تجھے کافر بنانے کا مگر ارمان مُلّا ں بس
مجھے شوق ہے چھتہ بھڑوں کا چھیڑ دینے کا
بچاؤ کا نہیں گر چہ سامان مُلّا ں بس